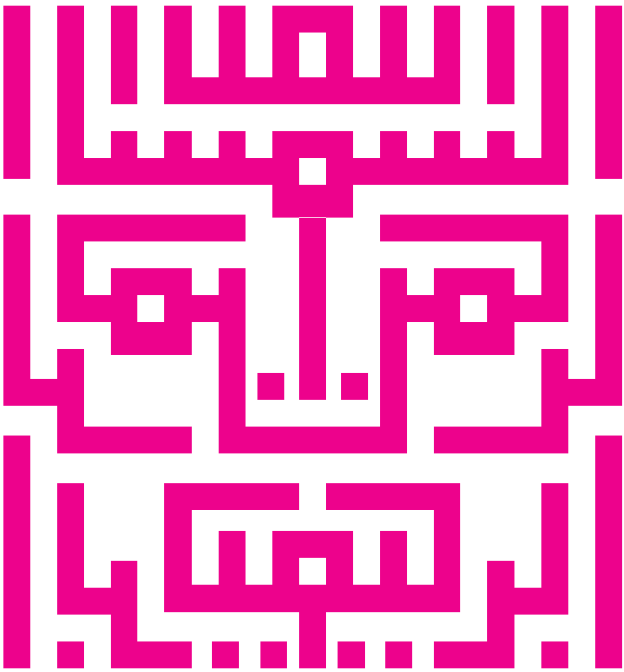
نمودِ سحر



ہاشم علی خان ہمدمؔ



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

نمودِ سحر

بارہواں مجموعۂ کلام

ہاشم علی خان ہمدمؔ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام
https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

تعارف

نام : ہاشم علی خان ہمدمؔ

ولدیت : زمرد خان

تاریخ پیدائش : ۷؍جولائی ۱۹۷۳ء

تعلیم : ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، بی ایڈ (پنجاب یونی ورسٹی لاہور)

جائے پیدائش : خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

پیشہ : درس و تدریس

سرکاری ملازمت : اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ

ادبی خدمات : بانی و منتظم موج غزل ادبی فورم (فیس بک)

اصناف سخن : حمد، نعت، غزل، نظم، سلام، منقبت، طنز و مزاح

تصانیف : ۱۔ موجِ کرم (حمد و نعت)

۲۔ پانچواں موسم (غزلیات)

۳۔ آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)

۴۔ موج غزل (طرحی غزلیات)

۵۔ محبت کی زباں (طرحی غزلیات)

۶۔ دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)

۷۔ چراغِ فکر (طرحی غزلیات)

۸۔ جہانِ خواب (طرحی غزلیات)

۹۔ چشم تماشا (طرحی غزلیات)

۱۰۔ سراب سے آگے (طرحی غزلیات)

۱۱۔ تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)

۱۲۔ آدھا سفر (طرحی غزلیات)

۱۳۔ نمودِ سحر (طرحی غزلیات)

۱۴۔ آخری چراغ (غزلیات)

۱۵۔ چراغِ حرف (غزلیات)

۱۶۔ غزل پوش (غزلیات)

۱۷۔ دم (دیوان)

۱۸۔ سبیلِ کرم (نعتیہ مجموعہ)

۱۹۔ طیبۂ جاں (نعتیہ نظمیں)

۲۰۔ خواب سراب (نظمیں)

۲۱۔ روشنی کے پھول (سلام و مناقب)

۲۲۔ سیلفیاں (طنز و مزاح)

پتہ : خودہ شریف، تحصیل حسن ابدال، ضلع اٹک۔

فون نمبر : 0311-5509555

انتساب

محبت

کے نام

سورج کے دم سے ہی یہ نمودِ سحر نہیں
موجِ ہوا کے ہاتھ میں جلتے دیے بھی دیکھ

موجِ غزل کے

چونسٹھ سے تین سو بہتر

میں کہا گیا کلام

صبح تیری آنکھیں ہیں، شام تیری زلفیں ہیں
تو الف سے ے تک ہی شاعری کا موسم ہے

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	نمودِ سحر۔
شاعر	ہاشم علی خان ہمدمؔ۔
وضاحت	یہ ہاشم علی خان ہمدمؔ کے کلام کا تیرہواں مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔
کاپی رائٹ	جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ۔
اِجازت	اِس کتاب کو حوالہ جات یا غیر کاروباری نقطۂ نظر سے استعمال کیا جا سکتا ہے یا اِس کا اشتراک کیا جا سکتا ہے تاہم اس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ یا اس کی شکل تبدیل کرنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ اِس کے لئے شاعر کی پیشگی اجازت از حد ضروری ہے۔
صفحات	۲۱۹
سالِ اشاعت	دسمبر ۲۰۲۳ء
ہدیہ	دعائیں۔
پبلشر	مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔
برقی ڈاک	itshamdam@gmail.com
ارکائیو ربط	archive.org/details/@nzkiani

(جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ ہیں)

کتاب: نمودِ سحر

شاعر: ہاشم علی خان ہمدمؔ

پتہ: خودہ تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

itshamdam@gmail.com

0311-5509555

سن اشاعت: ۲۰۲۳ء

ایڈیشن: اوّل (برقی اشاعت)

سرورق: نوید ظفرؔ کیانی

ناشر: مکتبۂ ارمغانِ ابتسام، اسلام آباد

قیمت: دعائیں

ویب سائٹ لنک: archive.org

فہرست

پیش رس

محبت زندگی ہے اور زندگی کا آغاز محبت سے ہوا جب خالق کائنات نے چاہا تو محبت سے انسان کی تخلیق کی۔ باعث تخلیق کائنات حبیبِ خدا پہ درود اولین ذکرِ محبت ہے۔ آدم کی بائیں پسلی سے دل کی مٹی عورت کے وجود میں ڈھلی تو عشق حقیقی سے عشقِ مجازی کی بنیاد پڑی۔ انسان روحانی طور پر محب حقیقی سے مربوط ہے جس کا شعور فطری محبت سے مزین ہے۔ محبت کا جذبہ انسانی خمیر میں شامل ہے جو اپنی کاملیت میں احساسِ جمال رکھتا ہے۔ جذبات اور احساسات شاعری میں ڈھلتے ہیں تو احساسِ جمال محبت کی رعنائیوں سے بھرپور شعریت منعکس کرتا ہے۔ یہی شعریت رومان پرور شعری نظریہ عطا کرتی ہے اور شاعر زندگی بیان کرنے کے مقام پر متمکن ہو جاتا ہے۔ محبت کا جذبہ جذبات، احساسات اور نظریات میں زندگی گزارنے کا منضبط اور خوب صورت سلیقہ عطا کرتا ہے۔ عشق، روزگار اور اپنی ذات کے داخلی اور خارجی نظامِ معاشرت میں محبت ہی کارفرما رہتی ہے۔

محبت میرے خمیر میں شامل ہے۔ مجھے محبت ملی اور میں نے محبت تقسیم کی۔ بچپن اور لڑکپن میں والدین اور بہن بھائیوں کی محبت کے بعد عین شباب میں محبت کے فطری جذبے نے سرشار کیا۔ زندگی کے نشیب و فراز میں معاملات روزگار اور مسائل حیات کی پیچیدہ گتھیاں سلجھاتے

وقت محبت کا جذبہ ماند نہیں پڑا اور میری شاعری کا بنیادی محرک رہا۔محبت سے بھرپور احساسِ جمال نے مجھے جینا سکھایا۔میری شاعری اور محبت ہم سفر ہیں۔میں انھیں جدا نہیں کر سکتا۔غمِ روزگار کی مصروفیات اپنی جگہ مگر میرے دل کا سکون محبت ہے۔محبت ظلمتِ شب میں ''نمودِ سحر'' ہے جو میرے ہر خواب کی تعبیر ہے۔احساس کی تصویر ہے۔دل پہ تحریر ہے اور میری تقدیر ہے۔میں سرشار ہوں کہ مجھے بے پناہ محبت ملی۔چاہنے اور چاہے جانے کا احساس،ہجر و وصال کا سپاس،عرصہء ادراک اور خوش رنگ لباس ہے جس کے تمام رنگ میری دھڑکنوں میں زندہ اور آنکھوں میں پائندہ ہیں۔محبت میں گزرتے ماہ و سال میری شاعری کی اٹھان اور شعریت کا شباب ہیں۔خوش تاب ہوں کہ میری شاعری میں نارسائی کا کرب بھی احساسِ محرومی نہیں بلکہ لذتِ آشنائی سے مزین ہے۔محبت کے پھول مجھے مہمیز رکھتے ہیں۔موجہء گل پون پون میری سانسوں میں سحر آفریں ہے۔کوئی میرے وجود کا حصہ بن کر دل و جاں کا مکیں ہے جس سے زندگی قدم قدم حسیں ہے۔اللہ یہ محبت کا جہاں سرسبز و شاداب اور بامراد رکھے۔آمین

اے محبت! تجھے کیسے فراموش کر دوں کہ

حرف حرف خوشبو ہے، تازگی کا موسم ہے
میری زندگی ہے تو، شاعری کا موسم ہے
صبح تیری آنکھیں ہیں، شام تیری زلفیں ہیں
تو الف سے ے تک ہی شاعری کا موسم ہے

۱۲۰پریل ۲۰۱۶ء کو موج غزل ادبی فورم کی بنیاد رکھی گئی جس میں نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بینا اور قدسیہ ظہور میرے ساتھ ابتدائی منتظم تھے۔ملتان سے تعلق رکھنے والی خوب صورت شاعرہ نادیہ سحر ۲۰۱۷ء میں کاروانِ موجِ غزل میں چراغ سحر کی طرح شامل ہوئیں جو بہ طور منتظم ہمارے ادبی قافلے کا درخشندہ

ستارہ ہیں ۔موج غزل نمودِ سحر سے مماثل ہے جہاں مجھے بھرپور محبت ملی اور محبت کرنے والے احباب نے مجھے ہمیشہ اپنی محبتوں کا مقروض رکھا۔موج غزل میں ابتدائی پچاس مشاعرے طرحی مصرعوں پہ منعقد ہوئے مگر اس کے بعد سے اب تک تین سو نوے سے زائد مشاعروں میں طرحی ،غیر طرحی اور نظمیہ مشاعروں کا سلسلہ جاری ہے ۔جن میں منفرد قوافی ،پابند حرفی ردیف ،منفرد ردیف ،منفرد بحر اور اصناف سخن رنگ نمایاں ہیں ۔

موج غزل میں جید شعرا شریک ہوتے ہیں جن سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے ۔موج غزل اب مشق سخن سے بڑھ کر تخلیقی ادبی مرکز بن چکا ہے ۔نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بینا کہنہ مشق شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے ناشر بھی ہیں ۔ارمغان ابتسام کے نام سے ایک خوب صورت جریدہ برقی صورت میں شائع کرتے ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ برقی کتب کی اشاعت کا خوب صورت اہتمام کرتے ہیں ۔موج غزل میں کہے گئے کلام کی خوب صورت تزئین و آرائش کے ساتھ ساتھ خوب صورت برقی مجلہ کی صورت میں اشاعت بھی کی جاتی ہے ۔

زیر نظر شعری مجموعہ ''نمودِ سحر'' موج غزل کے چونسٹھ سے تین سو بہتر مشاعروں تک کہی گئی طرحی غزلیات پر مشتمل ہے ۔اس سے پہلے موج غزل کے پہلے تریسٹھ مشاعروں میں کہا گیا طرحی کلام'' آدھا سفر'' کے عنوان سے برقی صورت میں شائع ہو چکا ہے ۔جس کی برقی اشاعت کا اہتمام موج غزل کے منتظمین نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بینا نے کیا ہے ۔اللہ تعالیٰ اس ادبی سفر میں ہمیں کامیاب اور بامراد فرمائے ۔آمین

ہاشم علی خان ہمدمؔ

☆

درِ غزل پہ اتارا گیا ہے تیرے لیے
یہ حرف حرف سنوارا گیا ہے تیرے لیے

ترا یہ پیار ہے میرے لیے نمودِ سحر
مرا وجود نکھارا گیا ہے تیرے لیے

یہ دل کہ جس میں محبت کے پھول کھل رہے ہیں
خزاں رتوں میں بہارا گیا ہے تیرے لیے

رکھا گیا تھا جہاں سے بچا بچا کے مجھے
پھر اس کے بعد شمار ا گیا ہے تیرے لیے

یہ نیند اور کسی وقت آ بھی سکتی ہے
مگر وہ خواب جو مارا گیا ہے تیرے لیے

سو مجھ کو تھام کے دل سے لگائیے صاحب!
گرا ہوا تھا، سہارا گیا ہے تیرے لیے

وگرنہ میں تو کہیں گم ہی ہو گیا ہوتا
مرا بھی نام پکارا گیا ہے تیرے لیے

اسیرِ زلف الجھتا ہے پھر سلجھتا ہے
بکھر بکھر کے سنوارا گیا ہے تیرے

تو خدّ و خال کو چھو کر بھی دیکھ سکتا ہے
ہر ایک نقش ابھارا گیا ہے تیرے لیے

ہمک رہا ہوں مسلسل میں تیری دھڑکن میں
مرے بھی دل کو ہلارا گیا ہے تیرے لیے

فلک شعار ہوں لیکن بقول ساحر سن!
''مجھے زمیں پہ اتارا گیا ہے تیرے لیے''

رہِ وفا کا تقاضا تھا اس لیے ہمدؔم
محبتوں سے گزارا گیا ہے تیرے لیے

☆

صدیوں نے جو دیے ہیں مجھے راستے بھی دیکھ
تشکیل دے رہا ہوں نئے آئنے بھی دیکھ

سورج کے دم سے ہی یہ نمودِ سحر نہیں
موجِ ہوا کے ہاتھ میں جلتے دیے بھی دیکھ

گزرے ہوئے شعور کا تازہ خیال ہوں
تاریخ میں ہوئے ہیں مرے تذکرے بھی دیکھ

حالات و واقعات میں کس کا قصور تھا؟
لوگوں نے جو کیے ہیں کبھی تبصرے بھی دیکھ

اجداد کے وجود پہ رکھے گئے ہیں سر
دستار ہی نہ دیکھ یہاں مرتبے بھی دیکھ

لگتا ہے زندگی کا سفر طے کیا ہوا
گزرے ہیں اس جہاں سے ترے قافلے بھی دیکھ

کب سے غمِ نشاط کی دنیا میں قید ہوں
آنکھوں میں تیرتے ہیں مرے قہقہے بھی دیکھ

نقشہ ہے زندگی کا کہ خوابوں کی جھیل ہے
پھیلے ہیں دور دور مرے دائرے بھی دیکھ

آئنہ ء جمال سے الجھا ہوا ہوں میں
کس رنگ سے اٹھے ہیں مرے زاویے بھی دیکھ

سر، تال، راگ، رنگ، اپج، موج، لے، ادا
لہجے میں زندگی کے حسیں ذائقے بھی دیکھ

ہم سے محبتوں کے زمانے کی بات کر
کیا کیا دلوں کے بیچ رہے سلسلے بھی دیکھ

حرفِ جنوں کے زاویے کھنچتے چلے گئے
لفظوں کے بیچ بیچ کھنچے حاشیے بھی دیکھ

حسن جہاں رہا ہے نشیب و فراز میں
دل کی زمین میں ہیں بپا زلزلے بھی دیکھ

تو ہی نہیں ہے عشق میں مارا گیا مگر
ڈوبے ہیں جو چناب میں کچے گھڑے بھی دیکھ

مجھ کو بھی اپنے ہاتھ پہ بیعت کا لمس دے
میں بھی ترا مرید ہوں ہمدؔم مجھے بھی دیکھ

☆

آئینۂ شب زاد کے انداز عجب ہیں
یہ خواب کے منظر ہیں نہ افسانۂ شب ہیں

احساس کی ناؤ کو بچاتے ہیں بھنور سے
یہ خواب کنارے مرے جینے کا سبب ہیں

جلتے ہیں نہ بجھتے ہیں درِ باد پہ لیکن
ہم لوگ چراغوں کی طرح جان بہ لب ہیں

سر پر بھی بٹھاتے ہیں یہاں لوگ گرا کر
اس شہرِ خرابات کے کچھ اور ہی ڈھب ہیں

مٹھی سے پھسل جاتی ہوئی ریت کی مانند
کب ہوں گے میسر جو مرے ہاتھ میں اب ہیں

ہم کو تو اناؤں سے ہی فرصت نہیں ملتی
ہم لوگ محبت کے سزاوار ہی کب ہیں؟

پتھر ہیں یہاں بات بھلا کون سنے گا؟
کس گرمیِ گفتار سے الجھے ہوئے لب ہیں؟

فردا کی امانت ہیں بکھرنے نہیں دینا
یہ پھول مرے دیس کی پہچان ہیں، چھب ہیں

کیا ہم کو محبت ہے حسینؓ اور حسنؓ سے
کیا عشق میں ہم اہلِ حسب، اہلِ نسب ہیں

کیوں اہلِ ہنر جبر پہ خاموش کھڑے ہیں
مسدود بصیرت ہے کہ افکار سلب ہیں

دکھ بانٹتے رہتے ہیں محبت سے دلوں کا
ہم اہلِ ادب ، اہلِ قلم ، اہلِ طرب ہیں

تو اپنے زمانے کے خداؤں سے مدد مانگ
میرے لیے بس میرے شہنشاہِ عرب ہیں

بھولا ہے نہ بھولے گا ابھی میرا زمانہ
تاریخ کے دامن میں ابھی چند کتب ہیں

احساس کے قرطاس پہ کیا ثبت کروں میں
تصویر میں آنکھیں نہ مہکتے ہوئے لب ہیں

بے کار ہیں، مردار ہیں، بزدل ہیں وہ انساں
ہنگامۂ ہستی میں جو آرام طلب ہیں

کم کم ہے ریاضت میں محبت کا قرینہ
کم کم ہیں یہاں لوگ جو تقدیسِ ادب ہیں

اِس بار کوئی اندھی ہوا چلنے نہ دیں گے
اِس بار چراغوں کے علم دار غضب ہیں

ہر گام پہ احساس دلاتی ہے یہ دنیا
کچھ اور مسائل بھی ابھی غور طلب ہیں

تعبیر کی کرنوں میں نظر آئیں گے ہمدؔم
یہ خواب مرے خواب، مرا عرصۂ شب ہیں

کس طور نبھائیں گے غزل میر کی ہمدؔم
ہم اہلِ سخن ہیں نہ سفیرانِ ادب ہیں

☆

وہ بات جس میں کوئی مصلحت نہیں ہوتی
غلط کہا ہے کسی نے غلط نہیں ہوتی

یونہی بنا دیے جاتے ہیں ریت کے مسکن
یہاں پہ کچے گھروندوں کی چھت نہیں ہوتی

کوئی بھی کام سلیقے سے کر نہیں سکتے
وہ جن کے پاس محبت کی گت نہیں ہوتی

کرم کرے تو سمندر سے بوند کافی ہے
کہ تشنگاں کو شرابوں کی لت نہیں ہوتی

جو عین میم محبت پہ آ کے رکتی ہے
قلم کی نوکِ سرِ دستخط نہیں ہوتی

یہ کون؟ کس کے بھرم پر یقین رکھتا ہے؟
انا کے لب پہ کبھی معذرت نہیں ہوتی

غبارِ دشت میں مٹی بھی خرچ ہوتی ہے
یہ کارِ عشق ہے جس میں بچت نہیں ہوتی

کوئی چراغ ضروری ہے روشنی کے لیے
سیہ دلوں کی کبھی مغفرت نہیں ہوتی

کوئی کوئی ہے جو دریا کشید کرتا ہے
ہر ایک دل کو عطا معرفت نہیں ہوتی

نجانے کون سے رستے سے ہو کے آئے ہیں
سفر تمام ہوا، منزلت نہیں ہوتی

ترے لیے مرا سودا، مرا خسارہ بھی
ترے بغیر کوئی منفعت نہیں ہوتی

دلوں کی سچی گواہی سے کام چلتا ہے
نکاحِ عشق میں لکھت پڑھت نہیں ہوتی

انا کو مار کے نکلے ہیں، سو محبت میں
جبینِ دل پہ کوئی تمکنت نہیں ہوتی

میں نفرتوں کے اندھیرے میں مر گیا ہوتا
محبتوں کی اگر سلطنت نہیں ہوتی

یہ حکمراؔں دل بھی غلام گردش ہے
رہِ وفا میں کوئی مملکت نہیں ہوتی

دیارِ میر سے لیتے ہیں شاعری ہمدؔم
کہ داستانِ غزل من گھڑت نہیں ہوتی

☆

محبتوں کی اگر سلطنت نہیں ہوتی
کسی بھی کام کی انسانیت نہیں ہوتی

یہ زندگی مری تہذیب کا اثاثہ ہے
وگرنہ یاں کبھی انسانیت نہیں ہوتی

ہے ظلم جن کا وتیرہ نہال ہوتے نہیں
بخیر ان کی کبھی آخرت نہیں ہوتی

سخن وری سے بدلتے ہیں لفظ کے معنی
کسی زبان میں حتمی لغت نہیں ہوتی

یہ معرکہ ہے کسی قیس کا بپا کردہ
بغیر عشق مکمل یہ گت نہیں ہوتی

غبارِ عمر کا صحرا عبور کرتے ہیں
پھر اس کے بعد بدن میں سکت نہیں ہوتی

ہم اپنا عہدِ وفا بھی نبھانا جانتے ہیں
ہمارے پاس وفا ہی فقط نہیں ہوتی

یہ آسمان سے نسبت کی بات ہے ورنہ
زمین پر بھی میسر یہ چھت نہیں ہوتی

کہ تا کسی بھی ضرورت میں کام آجائے
بلا جواز ہماری بچت نہیں ہوتی

حدودِ ذات سے باہر نکل نہ سکتے ہم
یہ کائنات اگر شش جہت نہیں ہوتی

سخن وری میں مودّت کا حرف لازم ہے
بغیر حبّ علیؑ منقبت نہیں ہوتی

لگانا پڑتا ہے دل کو بھی کام دھندے میں
بغیر عشق یہ مصروفیت نہیں ہوتی

یہ زلزلہ مری دھڑکن سے ہو کے اٹھتا ہے
زمین پر ہی فقط زلزلت نہیں ہوتی

کوئی تو کام کا مصرع غزل سے نکلے گا
مزاح رنگ میں ہمدؔم جگت نہیں ہوتی

☆

حرفِ سادہ، سخن اٹھاتے ہیں
ہم بھی اپنا ہنر دکھاتے ہیں

عشق سودا ہے زندگی بھر کا
عمر بھر ہم یہی کماتے ہیں

بھول جاتے ہیں زندگی میں ہم
بعد مرنے کے یاد آتے ہیں

کھینچتے ہیں لکیر تازہ کوئی
کوئی نقشِ کہن مٹاتے ہیں

اپنی ہستی کو بھولنے والے
آئنے کو کیا منہ دکھاتے ہیں

پینے وینے کا شوق رکھتے نہیں
پیاس لگ جائے تو بجھاتے ہیں

کھینچ لیتا ہے موج زاد کوئی
ہم کنارے سے لوٹ آتے ہیں

دیکھتے ہیں غزل کی مٹی سے
کتنے شاعر وجود پاتے ہیں

دائرے سے گریز پا ہو کر
اپنی دنیا نئی بناتے ہیں

بود پاتے ہیں بے نمودی میں
چند پھولوں کو آزماتے ہیں

بھول جاتے ہیں تلخیوں کو ہم
دل کے زخموں پہ مسکراتے ہیں

رسمِ دنیا ہے یا تعلق ہے
آنا پڑتا ہے، آتے جاتے ہیں

روشنی کی تلاش میں ہمدَم
ہر دیے سے دیا جلاتے ہیں

☆

پیش منظر تھا فسانہ، داستاں بنتا گیا
آئنے کے سامنے کیا کیا سماں بنتا گیا

سجدہ گاہِ عشق، سنگِ آستاں بنتا گیا
یوں مرے دل کی زمیں پر آسماں بنتا گیا

ایک دوجے سے ملے، دل میں بسیرا کر لیا
قربتوں کا سلسلہ جب درمیاں بنتا گیا

لوگ پھولوں کو مسلتے ، نوچتے چلتے بنے
خارزاروں پر ہمارا آشیاں بنتا گیا

عشق کی تاثیر نے بخشی توانائی مجھے
میں وجودِ ناتواں تھا، پہلواں بنتا گیا

عقل سے آگے بڑھے ، ہم نے جنوں کی بات کی
دل محبت میں حقیقی حکمراں بنتا گیا

حسن کی تفسیر ہے یا عشق کی تقدیر ہے
جو کہا محبوب نے حرفِ اذاں بنتا گیا

روشنی سمٹی ہوئی تھی آگہی کے طاق میں
اک ستارہ ٹوٹتے ہی کہکشاں بنتا گیا

آنکھ سے بہتے ہوئے پانی کی کیا اوقات تھی؟
پی لیا تو اشک بحرِ بے کراں بنتا گیا

ہر قدم تخریب میں تعمیر کا پہلو ملا
زندگی کا سلسلہ تو ناگہاں بنتا گیا

اپنے سائے کی طرح پالا ہوا تھا اک شجر
دھوپ نگری میں جو سر پر سائباں بنتا گیا

ہر غریبِ شہر نے تقلید کی، تعمیل کی
ہر امیرِ شہر، میرِ کارواں بنتا گیا

چار دیواری میں رہ کر بھی دلوں سے دور تھے
درد کا رشتہ جڑا تو خانداں بنتا گیا

یوں ہوا پھر چاک دامانی بھی راس آنے لگی
وحشتوں کا شہر بھی شہرِ اماں بنتا گیا

ہم نے دل کی بات کی، ایسی کہ بس! المختصر!
قصۂ غم کھلتے کھلتے داستاں بنتا گیا

ہم خمیرِ ذات اپنے چاک پر رکھتے گئے
خاک بازی میں ہمارا خاک داں بنتا گیا

چیر کر اپنا کلیجہ رکھ دیا قرطاس پر
اک جہاں اہلِ سخن کا قدرداں بنتا گیا

ہر قدم، ہر موڑ پر مشکل کھڑی تھی سامنے
یہ خرابہ تو ہمارا امتحاں بنتا گیا

ڈوبتی کشتی کو جیسے آخری منزل ملی
تند موجوں کا سہارا بادباں بنتا گیا

حرف کی توقیر کاغذ پر اترتے بڑھ گئی
مصرعۂ ترموج میں طرزِ فغاں بنتا گیا

دیکھتے ہی رہ گئے ہیں راستے نقشِ قدم
میں غبارِ دشت کی روحِ رواں بنتا گیا

ایک ان پڑھ ماں بھی جب بچے کو سکھلانے لگی
سلسلہ تہذیب کا اردو زباں بنتا گیا

آندھیوں کے سامنے روشن ہوا کچھ اور بھی
ہر دیا آئندگاں کا ترجماں بنتا گیا

اس قدر سچی محبت کون کرتا ہے بھلا؟
م،ح،ب،ت کو سمجھا، لفظ ماں بنتا گیا

دسترس خود پر نہ رکھی میں نے تیرے سامنے
جو مجھے تو نے بنایا جانِ جاں بنتا گیا

اپنا اپنا فائدہ اور اپنی اپنی بات تھی
کچھ یہاں بنتا گیا اور کچھ وہاں بنتا گیا

ہم نے آنکھیں بند کی تھیں ایک صورت کے لیے
خواب زندگی میں یہ کیا وہم و گماں بنتا گیا

ہائے! وہ کیا وقت تھا، اپنے سوا کوئی نہ تھا
دل ہوا آباد تو شہرِ بتاں بنتا گیا

پہلے پہلے بے سبب تھی رسم و راہِ دل ہمیں
چل پڑے تو درمیاں سود و زیاں بنتا گیا

حرف جب نازل ہوئے طرزِ سخن ایجاد کی
نغمۂ دِل یوں مرا عزمِ جواں بنتا گیا

اپنی اپنی بولیاں سب بولتے ہی رہ گئے
خامشی میں دور تک شورِ سگاں بنتا گیا

زندگی اس کو ملی جس کی نموداری ہوئی
شاخ سے ٹوٹا ہوا برگِ خزاں بنتا گیا

خوف سے پنواریاں کچے گھروں میں رہ گئیں
گاؤں سے باہر کوئی اندھا کنواں بنتا گیا

دور جانے کا قلق نے دشمنی کا خوف ہے
دکھ ہوا کہ وہ فلاں ابن فلاں بنتا گیا

آج تک حیران ہوں اس طرزِ نو تعمیر پر
میں کہ ٹوٹا تھا کہاں؟ کیسے؟ کہاں بنتا گیا

میں نے اپنے آپ کو ایسی شکست فاش دی
ہر عدوئے جان ہمدؔم مہرباں بنتا گیا

☆

محبت میں وہی پہلا مقام آیا تو کیا ہوگا؟
ترے دربار میں تیرا غلام آیا تو کیا ہوگا؟

بھروسہ اپنے سائے پر کیا ہے دھوپ نگری میں
وہ پہلے کی طرح اب بھی نہ کام آیا تو کیا ہوگا؟

ابھی تو شام ہوتے ہی سلگ اُٹھتے ہیں جلنے کو
چراغوں کو ہواؤں کا پیام آیا تو کیا ہوگا؟

محبت آمریت کی طرح دل پر مسلط ہے
ہمارے بیچ جمہوری نظام آیا تو کیا ہوگا؟

کہیں پر سجدہ ء دل ہے، کہیں پر جبر کی سل ہے
یونہی چلتے ہوئے وقتِ قیام آیا تو کیا ہو گا؟

سجی ہیں گٹھلیاں ریڑھی پہ چھلکوں کے لبادے میں
جسے جنس گراں سمجھیں وہ عام آیا تو کیا ہو گا؟

زمانہ ہو گیا میں نے قلم سے کچھ نہیں لکھا
پرانی ڈاک سے تیرا اسلام آیا تو کیا ہو گا؟

چلو ہم انفرادی طور پر تو صبر کرتے ہیں
جو فردِ جرم میں ذکرِ عوام آیا تو کیا ہو گا؟

ابھی تک خون کے چھینٹے فصیل غم پہ تازہ ہیں
ہمارا کارواں طیبہ سے شام آیا تو کیا ہو گا؟

ہمیں تو گردشِ ایام سے ویسے بھی نسبت ہے
سرِ محفل جو گردش میں نہ جام آیا تو کیا ہو گا؟

جگر کے خون سے ہم نے جنوں کی آبیاری کی
کمائی میں اگر رزقِ حرام آیا تو کیا ہو گا؟

ہم اپنے ہاتھ سے منزل کا رستہ کاٹ بیٹھے ہیں
ہماری رہ نمائی کو امام آیا تو کیا ہو گا؟

سنا ہے ہجر میں ہجرت مسلسل فرض رہتی ہے
دیارِ عشق میں گر اختتام آیا تو کیا ہو گا؟

ہمیں تو چند گھڑیوں کی حیاتی بھی گراں ٹھہری
ہماری خاک پر عہدِ دوام آیا تو کیا ہو گا؟

ہمیں معلوم ہی کب ہے؟ درو دیوار میں کیا ہے؟
ہمارے ہاتھ گھر کا انتظام آیا تو کیا ہو گا؟

تو میرے نام سے پہلے، تو میرے نام سے آگے
مری تعریف میں تیرا نہ نام آیا تو کیا ہو گا؟

زمیں پر چھوڑ آیا ہوں جسے میں توڑ آیا ہوں
فلک پر بھی وہی ماہِ تمام آیا تو کیا ہو گا؟

مرے دل میں سنائی دے رہی ہیں آہٹیں جس کی
سرِ راہے وہی نقشِ دوام آیا تو کیا ہو گا؟

ابھی تک رابطہ رکھا ہوا رسمِ کہن سے ہے
پیامِ نو سرِ موجِ خرام آیا تو کیا ہو گا؟

مجھے ناکامیوں کا ڈر نہیں، ڈر ہے زمانے کا
پلٹ کر میں جو بے نیل و مرام آیا تو کیا ہو گا؟

ابھی ٹوٹے ہوئے مصرعے لبِ قرطاس ہیں ہمدم
سرِ موجِ غزل میرا کلام آیا تو کیا ہو گا؟

☆

سرابِ دشتِ طلب سے آگے جہانِ نو آشکار ہو گا
دل و نظر میں بسا رکھا ہے جو منظرِ خود نگار ہو گا

روایتوں پر اڑے ہوئے ہیں نہ جدتوں سے گریز پا ہیں
ہماری تہذیب سے گزر کر یہ عہد بھی سازگار ہو گا

سبھی کو اپنی پڑی ہوئی ہے، سو کون کس کس کی راہ دیکھے؟
نہ منتظِر ہے نہ منتظَر ہے، عجیب سا انتظار ہو گا

اسی شجر پر نمود ٹھہرے گی، خشک پتے ہرے کرے گی
اسی شجر سے بہار کا سلسلہ مرا استوار ہو گا

ابھی تو میں نیم کش نگاہوں کے سامنے مطمئن کھڑا ہوں
مزا تو جب ہو گا ، تیر سینے سے آر ہو گا نہ پار ہو گا

مرے عدو سے تری بنی ہے، ترے عدو سے مری ٹھنی ہے
سو آستینیں سنبھال رکھنا ، یہیں کہیں سے ہی وار ہو گا

تو کیا کوئی بھی نہ خواب دیکھیں؟ وہی پرانے سراب دیکھیں؟
ہمارے گرد و نواح میں کیا وہی پرانا دیار ہو گا؟

یونہی نہیں تو یہ خاک زادے اٹھائے جائیں گے آسماں پر
ملے گی جنت اسے یقیناً جو ماں کا خدمت گزار ہو گا

کپاس مہکے گی پگڑیوں میں، کسان زادے نہال ہوں گے
کبھی تو مٹی میں رلنے والا بھی صاحبِ اقتدار ہو گا

ابھی تو یونہی پڑے ہوئے ہیں مقام کوئی نہ کام کوئی
کبھی تو اپنا بھی نام ہو گا، کبھی ہمیں اختیار ہو گا

بس ایک مصرع اتارنا ہے، سفید کاغذ نکھارنا ہے
فسانہ ء دل جو مختصر ہے ، وہی مرا اختصار ہو گا

کنارِ ہجراں کھڑے ہوئے ہیں، پگھل رہے ہیں، مچل رہے ہیں
ملن ہمارا کبھی ہوا تو عجیب اور بار بار ہو گا

میں کوزہ گر تو نہیں ہوں لیکن خمیر مٹی کا جانتا ہوں
جسے اٹھاؤں گا چاک پر میں وہی مرا شاہکار ہو گا

یہ زندگی ہے قدم قدم پر نشیب ہوں گے فراز ہوں گے
کہیں کوئی کوہ سار ہو گا ، کہیں کوئی آبشار ہو گا

پری رخوں کے فسوں نے ایسا شعورِ زادِ سفر دیا ہے
جہاں جہاں بھی قدم پڑیں گے، وہاں وہاں لالہ زار ہو گا

خبر نہیں تھی کہ چائے خوشبو کی طرح دل پر اثر کرے گی
کبھی کبھی یوں ہمارا ملنا ، محبتوں میں شمار ہو گا

دلوں کی حالت بدل رہی ہے، وفا روایت میں ڈھل رہی ہے
خمار ہو گا ، غبار ہو گا ، بخار ہو گا ، سو پیار ہو گا

نگاہ ایسا اثر کرے گی ، کلی کلی باثمر کرے گی
جہاں گزیدہ نہال ہو گا، خزاں رسیدہ بہار ہو گا

اذیتوں سے نکل رہا ہوں ، میں وحشت دل بدل رہا ہوں
ابھی تو آنکھیں کھلیں گی میری ابھی تو ہلکا بخار ہو گا

فضائے شہرِ دلاں جو ہمدؔم اذیتوں سے بھری رہے گی
غزل کا لہجہ فسانہ ء غم بہ چشم نم سوگوار ہو گا

☆

لا جو حاصل سے نکالا تو ہوا لا حاصل
ایسے حاصل سے تو اچھا تھا مرا لا حاصل

عرصہء دل سے جو نکلا تو ہوا لا حاصل
زندگی بھر کا تعلق بھی رہا لا حاصل

میں نے سورج کو اندھیرے سے نکلتے دیکھا
ظلمتِ شب میں جلا میرا دیا لا حاصل

چلنے والے تو نیا وقت بنا لیتے ہیں
راستہ وقت کا لوگوں نے چنا لا حاصل

عشق میں جان لگانے سے عبادت ہو گی
نیتِ شوق ہے کچی تو وفا لا حاصل

آئینہ جتنا بھی گہرا ہو نظر آتا ہے
ماورا ہو نہیں سکتا یہ ورالا حاصل

دل کے سودے میں خسارا نہیں دیکھا جاتا
اپنے حاصل کو لگا اور بچالا حاصل

موجہء وصل کنارے پہ مچلتی دیکھی
ہجر دریا میں رہا کچا گھڑالا حاصل

زندگی دور کہیں دور پڑی تھی لیکن
دل کسی اور تعاقب میں چلالا حاصل

میں کناروں کا مسافر تھا نہ دریا میرا
مفت حالات کے برزخ سے لڑالا حاصل

جستجو تیرے سوا اور نہیں کر سکتا
تیری ہستی ہے جو حاصل تو سوالا حاصل

کچھ تو حالات کا حاصل بھی ہوا کرتا ہے
بے سبب مجھ پہ رہی موجِ بلا، لا حاصل

میرا حاصل ہے اسی نقشِ قدم سے آگے
جس سے آگے ہے ترا پائے رسالا حاصل

تیرے ہونے سے ہر اک رنگ حسیں لگتا ہے
تو نہیں ہے تو یہ موسم، یہ گھٹالا حاصل

ظلمتِ شب کے اندھیروں سے نکل آیا ہوں
کن چراغوں سے ہوا مجھ کو اجالا حاصل

پانے والوں نے اسی در سے گدا پائی ہے
کور چشموں پہ رہی بانگ درا لا حاصل

اپنے ہم زاد کے چہرے پہ پڑھا ہے ہمدؔم
خود کو حاصل بھی کیا میں تو کیا لا حاصل

☆

پیش منظر جو ہوا چشم کشا لا حاصل
آئنہ سامنے رکھا ہی رہا لا حاصل

تو مرا حاصل ایمان رہا ہے ورنہ
مسندِ عشق فنا ، راہِ وفا لا حاصل

اک برس اور گزارا ہے وطن سے باہر
دورِ ہجراں میں دسمبر بھی گیا لا حاصل

ایک درویش کے پاؤں میں پڑی تھی دنیا
میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو کہا! لا حاصل

خاک دانی سے پرے اور جہاں کھلتا ہے
چشمِ حیرت سے نکلتا بھی تو کیا؟ لا حاصل

دل عجب طور مرا وجد میں آیا ہوا ہے
جب سے دیکھی ہے یہ دنیا کی فضا لا حاصل

ایک مدت سے تجھے رخشِ سفر بخشا تھا
رہبرِ وقت بتا کیوں تو رہا؟ لا حاصل

چارہ گر! دیکھ! مرے درد کا درماں بھی کر
جب مرض حد سے گزر جائے تو دوا لا حاصل

بے نمودی میں کہاں رنگِ بہار آتا ہے
خشک پتوں پہ مچلتی ہے صبا لا حاصل

چاک سینے سے ترے عشق سوا کیا نکلا؟
تو نے کھولا ہے مرا بندِ قبا لا حاصل

ایک نقطہ بھی نہ بے جا رخِ جاں پر دیکھا
رائگاں ! ناز ، تبسم نہ ادا ، لا حاصل

ایسے بکھرے ہوئے لوگوں سے بھلا کیا ہوگا
منقسم سوچ پہ ہر بات جدا ، لا حاصل

میں سمجھتا تھا کہ حاصل ہے مرا بھی کوئی
میں نے چھانا ہے تو دیکھا ہے خلا لا حاصل

کون سنتا ہے یہاں ؟ کس کو سمجھ آتی ہے ؟
گنبدِ فکر میں دیتے ہیں صدا لا حاصل

ایک بھی ذہن مرے ذہن مطابق نہ ملا
اس خرابے میں رہی فکرِ رسا لا حاصل

مجھ کو درپیش تھا اک اور جہانِ ہمدمؔ
دشتِ امکان سے آگے میں اٹھا لا حاصل

☆

صحرائے جاں میں سات سمندر اتار دے
گزرا ہوں جس جہاں سے وہ دل پر اتار دے

تصویر کر رہا ہوں محبت نئی نئی
آئنہ ء خیال کا پیکر اتار دے

مجھ کو تو اپنی شان سے جینا ضرور ہے
دستار گر نہیں تو مرا سر اتار دے

دنیا جنوں کے نام سے واقف نہیں ابھی
دھمال پڑ رہی ہے قلندر اتار دے

اگلا قدم پڑے گا ترا خار زار پر
گوری ! گلوں کی سیج پہ زیور اتار دے

مجھ کو نجانے کب سے مری ہی تلاش ہے
اے دھوپ! میرا سایہ برابر اتار دے

اس ماہ ہجر و وصل پہ صدیوں کا قرض ہے
آ مل کے جنوری سے دسمبر اتار دے

محو سفر ہیں ہم بھی توکل کیے ہوئے
کس موڑ پر نجانے مقدر اتار دے

گونگی فضا ہے اور کوئی بولتا نہیں
اقبال جیسا کوئی سخن ور اتار دے

نا آشنا نہیں ہوں میں قربت کے زہر سے
یہ دردِ ناگہاں مرے اندر اتار دے

لے ہو چکا تمام سفر دل ربا ترا
خود کو مرے وجود سے باہر اتار دے

یہ تشنگی نہیں ہے سمندر کی پیاس ہے
ساقی مری نگاہ میں ساغر اتار دے

اے دل! قبائے درد رفو کر کسی طرح
یا حرفِ باریاب کی چادر اتار دے

کچھ تو دیے جلائیں کہ ایسا نہ ہو کہیں
دھرتی پہ آسماں! مہ و اختر اتار دے

اٹکی ہے سانس لب پہ ترے ایک وار پر
پسِ دل میں آ کے آخری خنجر اتار دے

کچھ غم نہیں جہاں کا کہ اس کے قریب ہوں
ابراہہ پر فلک سے جو کنکر اتار دے

موسم کا ذکر کیا ، جو بدل کر کبھی کبھی
بادِ صبا کے روپ میں صرصر اتار دے

یا قربتوں کے کرب کا کوئی علاج کر
یا پھر سے دل پہ صبر کا پتھر اتار دے

میری تو بود و باش اسی گلستاں سے ہے
کشتِ نمو میں غیر نہ بنجر اتار دے

ایسا سخی ہے کون جو کرب و بلا کے بیچ
اصغرؓ اتار دے، کبھی اکبرؓ اتار دے

مسند کسی فریب سے سجتی نہیں کبھی
ایسا نہ ہو خطیب کو منبر اتار دے

ایسا بھی کیا کہ عشق مکمل نہیں ابھی
اس در اٹھا مجھے کبھی اس در اتار دے

اب تو فشارِ جاں میں سنبھلنا محال ہے
یہ تو رگِ شعور میں نشتر اتار دے

ہمدم تری نمودِ سحر ہے یہی کہ تو
صبحِ غزل پہ خواب کا منظر اتار دے

☆

دو گھڑی نیند کا آنا بھی ضروری ٹھہرا
خواب نگری کا تماشا بھی ضروری ٹھہرا

بات قرطاس پہ آئے تو غزل ہوتی ہے
سو مرا حرفِ تمنا بھی ضروری ٹھہرا

تشنہ کامی کی ضرورت ہے سمندر لیکن
ہجر میں پیاس کا صحرا بھی ضروری ٹھہرا

گردشِ موج کنارے سے پرے کھینچے ہے
ایسے طوفاں میں اترنا بھی ضروری ٹھہرا

عشق میں جان کا جانا بھی کوئی بات نہیں
دل کا سودا ذرا مہنگا بھی ضروری ٹھہرا

خاک کے ظرف میں رکھا ہے مصفّٰی پانی
بادۂ جاں کا نکھرنا بھی ضروری ٹھہرا

بے چراغی میں مری بات کہاں بنتی تھی؟
مجھ اندھیرے میں اجالا بھی ضروری ٹھہرا

ہجر میں خاک نوردی بھی ضروری ٹھہری
وصل میں اوجِ ثریا بھی ضروری ٹھہرا

دل کی دنیا سے تو ہجرت نہیں کی جا سکتی
اس خرابے میں بسیرا بھی ضروری ٹھہرا

اک دلاسہ بھی محبت کا ثمر ہوتا ہے
سر ٹکانا ہے، سو کندھا بھی ضروری ٹھہرا

شوخ آنکھوں نے مرے دل پہ گرہ باندھی ہے
زخم کے ساتھ یہ دھاگا بھی ضروری ٹھہرا

ٹیس اٹھتی ہے، تری یاد سے تھم جاتی ہے
درد لازم تو مسیحا بھی ضروری ٹھہرا

میں وہ منظر ہوں جو آنکھوں سے نہ دیکھا جائے
دیکھنے کو دلِ بینا بھی ضرور ٹھہرا

فائلیں ماپتا رہتا ہوں میں دفتر اندر
گویا یہ رزق کا ملبہ بھی ضروری ٹھہرا

ہم سفر کوئی تو ہو، رختِ سفر ہو جائے
گرد اڑنے پہ بگولا بھی ضروری ٹھہرا

خواب کی سانس اسی گردشِ اوقات میں ہے
رات کے بعد سویرا بھی ضروری ٹھہرا

فکر کے دار پہ احساس رہا ہے میرا
سر کٹانے کو یہ آرا بھی ضروری ٹھہرا

ہم کنارے نہیں جائیں گے کبھی بھی لیکن
ہجر زادوں پہ یہ دریا بھی ضروری ٹھہرا

دیکھ لیتا ہے تو چھپنے نہیں دیتا کیونکر
اب تو مہتاب سے پردہ بھی ضروری ٹھہرا

تیسرا رخ ہی کہانی کو بقا دیتا ہے
کوئی کردار علاوہ بھی ضروری ٹھہرا

زندگی موج کے سینے میں پڑی ہے کب کی؟
خاک اور چاک کا ملنا بھی ضروری ٹھہرا

موجہ ءگل کی حفاظت جو نہیں کر سکتا
سبز شاخوں پہ وہ کانٹا بھی ضروری ٹھہرا

حد سے گزرا جو زمانے کا چلن تو ہمدمؔ
قصرِ فرعون میں موسیٰؑ بھی ضروری ٹھہرا

☆

اندر کی یہ وحشت کیسی ہے، احساس کے زنداں کیسے ہیں؟
مت پوچھ ہمارے بارے میں، ہم چاک گریباں کیسے ہیں؟

وہ کیا تھا میر اسیر ہوئے، غالب سے مست فقیر ہوئے
وہ دشت نوردی کیسی تھی؟ یہ خارِ مغیلاں کیسے ہیں؟

وہ جن کی ادا خوش رنگ فضا، وہ جن کا بدن خوش رنگ بدن
وہ جن کو دیکھ کے پھول کھلیں، وہ جانِ بہاراں کیسے ہیں؟

یہ خواب تماشا کیسا ہے؟ آئنے کا در کیسا ہے؟
اوجھل تھے ہماری آنکھوں سے جو عکس نمایاں کیسے ہیں؟

کیوں بھائی بھائی لڑتا ہے کیوں سانپ کی صورت ڈستا ہے
ایمان کی حالت کیسی ہے؟ یہ لوگ مسلماں کیسے ہیں؟

کیا اب بھی چاندنی راتوں میں وہ قاف کی پریاں آتی ہیں؟
دالان کی حالت کیسی ہے؟ خوابوں کے شبستاں کیسے ہیں؟

یہ کیا ہے؟ دیس کہانی میں، ہر موڑ پہ ہم شرمندہ ہیں
کیسی ہے ندامت چہروں پر؟ کردار پشیماں کیسے ہیں؟

وحشت ہے ویراں سڑکوں پر، آسیب کا پہرہ رہتا ہے
یہ دہشت گردی کیسی ہے؟ یہ شہر ہراساں کیسے ہیں؟

یہ کیسی دراندازی ہے؟ ہم اپنے آپ سے لڑتے ہیں
دھرتی پہ مچانیں کیسی ہیں؟ سرحد کے نگہباں کیسے ہیں؟

کل عشق میں مرنا لازم تھا، اب عشق میں جینا لازم ہے
کل شاعر، مجنوں کیسے تھے؟ اور آج سخن داں کیسے ہیں؟

یہ ہجرت کیسی ہجرت ہے؟ کس دشت کی جانب نکلے ہیں؟
جو رستے دیکھے بھالے ہیں، اب ہم سے گریزاں کیسے ہیں؟

ہم نے تو چھکے چھکے سے احساس پہ چوٹیں کھائی تھیں
یہ زخم نمایاں کیسے ہیں؟ یہ گھاؤ خنداں کیسے ہیں؟

کیا دور تھا شیر اور بکری بھی اک گھاٹ پہ پانی پیتے تھے
اس دور کے جنگل کیسے تھے؟ اب دشت و بیاباں کیسے ہیں؟

فٹ پاتھ پہ دیپ جلائے ہیں، یوں اپنا آپ گنوائے ہیں
یہ خانہ بدوشی کیسی ہے؟ یہ بے سروساماں کیسے ہیں؟

سورج کی کرنیں پڑتی ہیں، تن من دھن روشن رہتا ہے
کھلیان سنہرے کیسے ہیں؟ یہ دھوپ کے میداں کیسے ہیں؟

اس شہر کے باسی کیا جانیں؟ کیا جنگل شہر میں ہوتا ہے؟
انداز ہیں کیسے جنگل کے؟ اور اس میں حیواں کیسے ہیں؟

کیا خارگزیدہ شاخوں پر زخموں کے پھول مہکتے ہیں؟
او دیس سے آنے والے بتا! سب اہلِ گلستاں کیسے ہیں؟

قرطاس پہ کیا کیا لکھتے ہو، کیا ہمدم کھینچتے رہتے ہو؟
بے ربط لکیریں کیسی ہیں؟ یہ حرف کے امکاں کیسے ہیں؟

☆

سرِ مصرعۂ تر خیال اوج پر ہے
کہ موجِ غزل کا غزال اوج پر ہے

جمیل اوج پر ہے، جمال اوج پر ہے
محبت کی پہلی مثال اوج پر ہے

سرِ عشق مٹی تھرکنے لگی ہے
قلندر کا حال اور قال اوج پر ہے

اٹھا ہوں، چلا ہوں، گرا ہوں، اٹھا ہوں
عروج اوج پر ہے، زوال اوج پر ہے

کوئی ان کہی ، کرب آلود ہو گی
جبینِ سخن پر ملال اوج پر ہے

ہر اک اینٹ ورثہ، ہر اک نقش سچا
خرابے میں کیسا وبال اوج پر ہے؟

مرے چار سو سبز گھاس آگ رہی ہے
چمن ہے، صبا ہے، نہال اوج پر ہے

کوئی خواب تصویر ہونے لگا ہے
عجب سایہء ہم خیال اوج پر ہے

یہی کش مکش مجھ کو حیراں کیے ہے
جواب اوج پر نے سوال اوج پر ہے

زمیں پر سفر اختیاری ہے میرا
نہ پر اوج پر ہے، نہ بال اوج پر ہے

یہ صیّاد کیسے زمیں سے اٹھے ہیں
کمندیں ستاروں پہ، جال اوج پر ہے

ستارہ کوئی بام پر آ گیا ہے
کہ آئنہء خوش جمال اوج پر ہے

یونہی سوچ کر مسکرانے لگا ہوں
بہت دور! حسن و جمال اوج پر ہے

مقدر مجھے آزمائے تو کیسے؟
بدلتے ستاروں کی چال اوج پر ہے

کہاں ہے مجھے اب کوئی فکرِ فردا؟
یہی ہے بہت میرا حال اوج پر ہے

مری تشنگی، ساقیا! بس یہی ہے
ترا ظرف! جامِ سفال اوج پر ہے

قلم بک رہا ہے، زباں بک رہی ہے
رذیل اوج پر، ابتذال اوج پر ہے

سڑک بند ہے، کیوں؟ دھواں اٹھ رہا ہے
سرِ شہر کیسا ابال اوج پر ہے؟

یہ بے سُر گویّے، یہ ہیکل، یہ جیکل
نہ حال اوج پر ہے، نہ قال اوج پر ہے

یہی رنگ موجِ غزل ہے، سو ہمدمؔ
سخن، ذوق، حرفِ خیال اوج پر ہے

☆

تازہ ہوا چلی ہے، ہوا کچھ نہ کچھ تو ہے
موسم بدل رہا ہے، دلا ! کچھ نہ کچھ تو ہے

ہر کوئی کہہ رہا ہے، مجھے تم سے پیار ہے
اتنی محبتوں میں نشہ کچھ نہ کچھ تو ہے

کس نے مرے وجود کو مسموم کر دیا
نیلی لگے بدن کی فضا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

دل چسپ ہے سوال ، کوئی جانتا نہیں
کیسے ہے؟ کیوں ہے؟ کون ہے؟ کیا؟ کچھ نہ کچھ تو ہے

سانسوں میں اضطراب ہے کیا؟ کش مکش ہے کیا؟
دل کا ہے رنگ ڈھنگ جدا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

تیرے بغیر ایک بھی لمحہ عذاب ہے
او ! میرے سجن ! او ! صنما ! کچھ نہ کچھ تو ہے

آنکھوں میں روشنی ہے اندھیرے کے باوجود
جلتا ہے میرے دل کا دیا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

ورنہ یہ زندگی کا سفر سہل تھا مجھے
در پیش مجھ کو موجِ بلا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

کوئی تو بولتا ہے مرے حرف حرف میں
دھڑکن میں گونجتی ہے صدا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

رستہ ہمارے گاؤں کا پر خار تو نہیں
کیکر سے کیوں اڑی ہے ردا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

دوراں کو چھوڑ چھاڑ ، غمِ ہجر پڑ گیا
دردِ جگر کی ایسی دوا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

تقدیر اور ہاتھ کی الجھن کے درمیاں
دل کے لہو میں رنگِ حنا کچھ نہ کچھ تو ہے

یہ کائنات چشم تماشا کی حد نہیں
بعد از نگاہ اور خلا کچھ نہ کچھ تو ہے

دشتِ وفا میں ہجر سے ہجرت کے شہر تک
ہر اک گناہِ دل کی سزا کچھ نہ کچھ تو ہے

سوزِ دروں ہے دامن صد چاک سے عیاں
کھلنے لگا ہے بندِ قبا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

رہ رہ کے پی رہی ہے ضیا آفتاب کی
پیاسی ہے آج کالی گھٹا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

دیوارِ آگہی پہ یہ کیسا عروج ہے؟
ٹوٹا ہوا ہے دستِ رسا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

احساس کے سفر میں ہے جی کا زیاں بہت
گردش میں ہے جو صبح و مسا کچھ نہ کچھ تو ہے

ہنگامہ ء شعور ہے سڑکوں پہ آج کل
اٹھنے لگا دھواں کہ جلا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

قاتل چھپے ہوئے ہیں مسیحا کے روپ میں
رسمِ کہن مٹی ہے ، نیا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

یہ بھی شکستِ ذات کا ہے مرحلہ کوئی
ٹوٹی ہوئی ہے جھوٹی انا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

آنسو ہے یا چراغ ، بوقتِ سحر کھلا
آنکھوں میں ہے جو خواب کشا، کچھ نہ کچھ تو ہے

کچھ تو سبب ہے تجھ سے محبت کا جانِ من
دیکھا نہیں ہے تیرے سوا، کچھ نہ کچھ تو ہے

تبدیل ہو رہا ہے نظامِ چمن ، سنو!
ہمدم گل مراد کھلا ، کچھ نہ کچھ تو ہے

☆

کب تک خیالِ یار کا نخرہ اٹھائیے
کیونکر نہ اپنے رنگ سے مصرعہ اٹھائیے

حجرے میں آ گئے ہیں تو کچھ لے کے جائیے
لیں یہ پڑی ہے آپ کی دنیا، اٹھائیے

مشکل اٹھا رہا ہوں میں اپنے وجود کی
رہنے دیں آپ ہجر وغیرہ اٹھائیے

دکھتا ہے کون خواب کی دیوار سے پرے
گر ہو سکے تو نیند سے پردہ اٹھائیے

منزل کسی بھی راہ پہ موقوف تو نہیں
بھاری ہے ایک سنگ تو دوجا اٹھائیے

لیں دیکھ ہی لیں آپ مری شش جہات میں
دامن میں اور کون ہے؟ اچھا! اٹھائیے

مل جائے گی زمین بھی، پتھر بھی، ریت بھی
فی الحال یہ مکان کا نقشہ اٹھائیے

ایڑی کے زور پر کوئی چشمہ نکالیے
دشتِ جنوں سے اب کوئی دریا اٹھائیے

پہلے تو پیڑ ڈھونڈیے چھاؤں کے واسطے
پھر آشیانے کے لیے تنکا اٹھائیے

لازم کیا گیا ہے عجب دھوپ کا سفر
سورج کے ساتھ سایہ یہ سایہ اٹھائیے

فرہاد مر چکا ہے رسوم و قیود میں
اب کیا جنونِ عشق میں تیشہ اٹھائیے

تہذیب سو رہی ہے ہماری یہیں کہیں
تاریخ کے شعور سے ملبہ اٹھائیے

یہ کم ہے کیا؟ کہ خود کو اٹھا لے کے جائیں ہم
تھوڑی سی کائنات ہے، کیا کیا اٹھائیے؟

نٹ کھٹ ہوا کے ہاتھ سیاست کی ڈور ہے
کاٹی ہوئی پتنگ کا دھاگہ اٹھائیے

آئینۂ خیال میں آ جائیے حضور!
بجھتے ہوئے چراغ کا شعلہ اٹھائیے

ہر چیز لازمی ہے ضرورت کے واسطے
کس کس دکان دار سے سودا اُٹھائیے

مرضی کا اک جہان بنا دیجیے مجھے
کوزہ گری کے واسطے گارا اُٹھائیے

دو گام رہ گیا ہوں میں اپنے مقام سے
سیڑھی لگا رہا ہوں، خدارا! اُٹھائیے

تازہ ہوا کی لہر گزرنے نہ دیجیے
یا پھر فصیلِ شہر سے پہرہ اُٹھائیے

دل چسپ داستان تھی، سو ختم ہو چکی
کردار مر گیا ہے، جنازہ اُٹھائیے

کب تک پڑی رہے گی محبت دراز میں
کھولیں حضور ڈائری! بٹوا اُٹھائیے

کچھ کہہ رہا ہے دل مرا سرکار! تخلیہ!
لب پر رکھا ہوا ہے جو بوسہ اٹھائیے

آنسو کسی کی یاد میں رکتے نہیں اگر
کونے میں بیٹھ جائیے، تکیہ اٹھائیے

ہمدؔم سخن سند ہے محبت کے نام پر
ہ ، م ، د ، م پہ مقطع اٹھائیے

☆

فریبِ چشم حیرت ہے؟ نہیں تو
یہ آئینہ حقیقت ہے ؟ نہیں تو

محبت میں سہولت ہے ؟ نہیں تو
غمِ جاں، دل کی راحت ہے؟ نہیں تو

رگِ جاں میں جو موجِ زندگی ہے
وہی پہلی محبت ہے ؟ نہیں تو

اٹھا کر ایڑیاں کیوں دیکھتے ہو؟
کوئی کیا سرو قامت ہے؟ نہیں تو

ترے نقشِ قدم کی خاک پائے
کسی میں اتنی ہمت ہے؟ نہیں تو

مجھے بھی سامنا ہے زندگی کا
مرا ہر خواب جنت ہے؟ نہیں تو

یونہی رنگِ سخن میں آ گیا ہوں
مجھے مصرع ودیعت ہے؟ نہیں تو

نمازِ عشق مجھ پر فرض ٹھہری
مری اپنی شریعت ہے؟ نہیں تو

میں جنگل چھانتا پھرتا رہا ہوں
مجھے گھر کی سہولت ہے؟ نہیں تو

یہ جذبہ تیشۂ دل سے اٹھا ہے
جنوں کیا کارِ وحشت ہے؟ نہیں تو

بغاوت کر بھی سکتا ہوں کسی دن
مری خاموشی بیعت ہے؟ نہیں تو

پڑا ہوں آسماں کی وسعتوں میں
مرے سر پر کوئی چھت ہے؟ نہیں تو

سفر ہے شرط، جزوِ زندگی ہے
یہ میری پہلی ہجرت ہے؟ نہیں تو

ابھی تک یاد ہے وہ ایک لڑکی
ابھی تک دل میں حسرت ہے؟ نہیں تو

بڑی لجپال ہے یہ میری مٹی
وفا میں کوئی حکمت ہے؟ نہیں تو

ملاقاتوں کا موسم ہی الگ ہے
تری قربت ہی قربت ہے؟ نہیں تو

کجی مجھ کو روا کب ہے ؟ عروضی
زباں پر حرفِ علت ہے؟ نہیں تو

کہا ، پہلی محبت ہے مجازی
کہا ، دوجی حقیقت ہے؟ نہیں تو

جو پوچھا دل کی بے چینی کا مطلب؟
کہا، شاید! محبت ہے؟ نہیں تو

شریعت کے مطابق مل رہیں گے
جدائی کوئی عدت ہے؟ نہیں تو

میں اپنے آپ میں کھویا ہوا ہوں
مجھے ملنے کی فرصت ہے؟ نہیں تو

پڑی ہے ابن آدم پر قیامت
فقط مظلوم عورت ہے ؟ نہیں تو

تمہیں جتنی سہولت مل رہی ہے
مجھے اتنی اجازت ہے؟ نہیں تو

مریدِ عشق ہوں ، کرتا رہوں گا
محبت کوئی بدعت ہے ؟ نہیں تو

سنو ! جس سے محبت ہو گئی ہے
کوئی کم خوب صورت ہے؟ نہیں تو

دیا پھر سے جلانا پڑ رہا ہے
ہواؤں کی سیاست ہے ؟ نہیں تو

اسیری میری قسمت میں تھی ہمدؔم
یہ آزادی کی قیمت ہے ؟ نہیں تو

مرا کردار اپنا ہے ، سو ہمدؔم
ترے دم سے عبارت ہے؟ نہیں تو

☆

آئینہ ساز نگاہوں سے بنایا ہوا شخص
منظرِ عام پہ رہتا ہے دکھایا ہوا شخص

میرے وجدان کی آواز نے مجھ سے پوچھا
یہ وہی ہے نا! مری تہہ سے اٹھایا ہوا شخص

ہم چراغوں کی طرح جلنے لگے تھے یوں ہی
جانِ محفل تھا کوئی دور سے آیا ہوا شخص

میری اوقات زمانے! مرے محبوب سے پوچھ
میرا مالک ہے مرے دل میں سمایا ہوا شخص

جز مرے اور کسی کا بھی نہیں ہو سکتا
میں نے کھویا ہے کئی بار جو پایا ہوا شخص

یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ بہم ہو جائیں
روٹھ جاتا ہے کئی بار منایا ہوا شخص

ہم ہیں مجبور بغاوت بھی نہیں کر سکتے
ظلم کرتا ہے یہاں اپنا ہی لایا ہوا شخص

مخلصو ! کارِ خوشامد کو ذرا کم رکھنا
گر نہ جائے یہ بلندی پہ بٹھایا ہوا شخص

خودکشی اب بھی نہ کرتا تو وہ جیتا کیسے؟
مرنے والا تھا زمانے کا ستایا ہوا شخص

مجھ کو جنت کا دلاسا ہی کوئی دے جائے
میں ہوں حالات کے دوزخ میں جلایا ہوا شخص

خود کو کردار کی صورت میں نظر آتا ہوں
یاد آتا ہے کہانی میں نبھایا ہوا شخص

دھوپ سہتا ہے مگر ہجر کی رمزیں پا کر
جلنے لگتا ہے سرِ شام بجھایا ہوا شخص

اس خرابے سے اٹھائیں تو کہاں لے جائیں
اک ہجومِ غمِ دوراں سے بچایا ہوا شخص

اس کے دل پر جو گزرتی ہے بتا دیتا ہے
مار دیتا ہے سرِ عام رلایا ہوا شخص

دھول ہوتے چلے جاتے ہیں مناظر کتنے
گرد ہوتا ہے سرِ دشت مٹایا ہوا شخص

چل گیا ہوں تو مرے یار یونہی چلنے دو
کھوٹے سکے کی طرح ہوں میں چلایا ہوا شخص

اب تو ملنے کا یہی ایک سبب کافی ہے
جاگ اٹھتا ہے سرِ خواب سلایا ہوا شخص

عشق کی آگ برابر ہے دلوں کے اندر
لوٹ لیتا ہے مجھے خود پہ لٹایا ہوا شخص

مجھ سے لوگوں کا تڑپنا نہیں دیکھا جاتا
میں ہوں کس جبر کی سولی پہ چڑھایا ہوا شخص

بے ہنر شہر کے ہاتھوں میں کھلونا جیسے
تیرا میرا ہے نہ اپنا وہ پرایا ہوا شخص

ہر کوئی خود کو بچانے کی سعی کرتا ہے
اٹھنے دیتا ہے بھلا کون گرایا ہوا شخص

یاد رہتا ہے فقط ساتھ نبھانے والا
بھول جاتا ہے کوئی ہاتھ چھڑایا ہوا شخص

گرم سانسوں میں سلگتا ہے، نمو پاتا ہے
سرد کہسار کے سینے میں اگایا ہوا شخص

زندگی موج کی مانند پلٹ آتی ہے
آن ملتا ہے سرِ راہ بھلایا ہوا شخص

میرے پیروں میں نہ گھنگرو ہیں نہ سر میں سودا
میں ہوں کس پیر کے میلے میں نچایا ہوا شخص

بھیک میں پیار کا سودا نہیں ہوتا ہمدمؔ
اچھا لگتا ہے محبت سے کمایا ہوا شخص

☆

چراغوں کی لو ہے نظر کی طرف
نظر چل رہی ہے سحر کی طرف

پرندے اڑے کس نگر کی طرف؟
ہوا چل پڑی ہے شجر کی طرف

محبت سے ہر فاصلہ طے ہوا
قدم تھے مرے ہم سفر کی طرف

شجر نے انھیں برگِ جاں پر لیا
جو سنگ آ رہے تھے ثمر کی طرف

عجب گفتگو پیش و پس میں رہی
اگر کی طرف تھی مگر کی طرف

زمیں کی طرف دیکھتا کوئی کیا؟
نگاہیں تھیں رشکِ قمر کی طرف

وہی لوگ علّت میں سر ہو گئے
جو زیرِ نگیں تھے زبر کی طرف

کوئی فکرِ تازہ ! کوئی حرفِ تر!
سماعت لگی ہے خبر کی طرف

کوئی خطۂ جاں پہ ابرِ نمود!
کوئی خواب ہی چشمِ تر کی طرف

بگولوں کی پرواہ کب تھی مجھے؟
مرا دھیان تھا رہ گزر کی طرف

گواہی مری کون دیتا یہاں؟
سبھی لوگ تھے معتبر کی طرف

یہ سجدہ ہے تقریبِ معراجِ دل
خدا دیکھتا ہے بشر کی طرف

یہ کیسا نشہ ہے؟ لہو میں رواں
عجب سرسراہٹ ہے سر کی طرف

کہا! دیکھ لی میری پرواز کیا؟
اشارہ ہوا بال و پر کی طرف

کھلا زندگی کا فسانہ ہے کیا؟
چلا میں جو اہلِ ہنر کی طرف

نظر کی خطا تھی مگر کیا ہوا؟
ہر اک تیر آیا جگر کی طرف

وہ تہذیب کھلنے لگی ہے کہ بس!
ذرا سا چلا کیا؟ کھنڈر کی طرف

کنارے مری دسترس میں نہ تھے
جنوں لے چلا ہے بھنور کی طرف

سفر میرا مشکل سہی ! سو سہی!
خدا خیر ہو ! منتظر کی طرف

وہ جس کے لیے کشتیاں جل گئیں
کھڑا کون تھا بحر و بر کی طرف

دیے پر ستاروں کی بارش رہی
نگاہیں رہیں بام و در کی طرف

ہمکنے لگا دل کسی کے لیے
نظر ہے کسی خوش نظر کی طرف

ہے سورج کی پہلی کرن محترم!
ذرا دیکھیے نامہ بر کی طرف

نگاہوں سے الجھا رہا آئنہ
مرا دھیان تھا شیشہ گر کی طرف

ہوا کیا چلی اک ذرا شہر میں
دیے چل پڑے میرے گھر کی طرف

ہر اک شعر ہمدؔم، ترے نام کر
گیا قصۂ مختصر کی طرف

☆

تم سے تو ہو گئے آج ہم ، ایک دم
دھڑکنیں مل گئیں دم بہ دم، ایک دم

خاک نے اپنا پیکر مجسم کیا
جسم و جاں ہو گئے یوں بہم، ایک دم

کیا ہوا ؟ آج کیسی ہوا چل پڑی؟
ایسی بے بودگی میں یہ نم ، ایک دم

کیوں لگا ہے مجھے؟ تو بچھڑنے کو ہے
پڑ گیا ہے مجھے کیوں یہ غم؟ ایک دم

بس دلا ! بس دلا ! حد سے زیادہ نہیں
اور کم ! اور کم ! اور کم ! ایک دم

مار آیا تھا میں کب کا مارِ سخن
آ گیا کیسے ؟ لہجے میں سم ، ایک دم

ذہن و دل میں اچانک دھماکہ ہوا
پھٹ گیا شہر میں جیسے بم ، ایک دم

ایک ہم ہیں کہ اٹھنے میں عمریں لگیں
ایک وہ کہ ہوئے محترم ، ایک دم

نیل آنکھوں میں دیکھا ہے سارا جہاں
آ گیا سامنے، جامِ جم ، ایک دم

ہجر مٹنے لگا ، وصل ہونے لگا
خود بخود اٹھ گئے دو قدم ، ایک دم

اک غمِ عشق کیا ہم کو لاحق ہوا؟
پھونک ڈالے زمانے کے غم، ایک دم

تجھ کو سوچے سمے شعر ہونے لگے
مصرعۂ تر ہو زیبِ قلم ، ایک دم

روزِ محشر ہمارا جو کھاتہ کھلا
چونک اُٹھیں گے اہلِ حرم، ایک دم

بت کدے پر حکومت ہے کس کی سنو!
کیوں خدا ہو گئے ہیں صنم، ایک دم

کس نے دھڑکن سے دھڑکن، پکارا کیا؟
دل پہ کھلنے لگے زیر و بم ، ایک دم

یوں محبت نے ہمدؔم ملایا ہمیں
ہو گئے آج ہم اور دم ، ایک دم

☆

کس آگ سے ٹکرائی ہے یہ اندھی ہوا دیکھ!
ہر طاق میں جلتا ہے محبت کا دیا دیکھ!

خواہش نہ رہے تجھ کو کسی اور نظر کی
گر دیکھنا لازم ہے تو جی بھر کے دلا، دیکھ!

اب تک ہے وہی دشت، وہی کرب و بلا ہے
رستے میں ابھی تک ہیں وہی نقشِ وفا دیکھ!

رہتا ہے یہاں جبر کا آزار مسلسل
آتی ہے زمانے کو یہ کب راس فضا، دیکھ!

اس بار مجھے درد کی لذت سے رہا کر
میں ہجر گزیدہ ہوں، کوئی اور سزا دیکھ!

مانگا ہے تجھے اور تمنا ہی نہیں کی
تو میری طلب دیکھ، مرا حرفِ دعا دیکھ!

کس خواب کی تعبیر کو تصویر کیا ہے
دیوار کے سینے میں کوئی در ہے کھلا دیکھ!

تہذیب ہے کیا یہ مری صدیوں کا سفر ہے
تاریخ کے چہرے سے ہٹا گرد، ذرا دیکھ!

ہاری ہوئی بازی ہے مگر کھیل رہا ہوں
بیٹھ ایک طرف اور مرے یار جوا، دیکھ!

لازم تو نہیں ایک ہی رستے پہ چلیں ہم
ملتا ہے تو دنیا میں کوئی میرے سوا دیکھ!

ہر آنکھ پہ اندر کی حقیقت نہیں کھلتی
تو چاک گریباں کو نہیں بندِ قبا دیکھ!

یہ دشت نوردی ہے کہ دریوزہ گری ہے
کیا ہے یہ تگ و تاز مرے راہ نما دیکھ!

یہ عشق بکھیڑا ہے میاں ! اہلِ وفا کا
دولت ہے ترا روگ، تو بس کھوٹا کھرا دیکھ!

پھر دیکھ مرے رب کی رضا اور عطا سن!
سجدے میں کبھی سر کی جگہ دل کو جھکا دیکھ!

سوہنی ہے نہ ماہی ترے کردار مطابق
دریا ہے ترا اور، کوئی اور گھڑا دیکھ!

جدت کا تقاضا ہے، روایت نہیں ہمدؔم
آئینۂ ادراک اٹھا، حرف نیا دیکھ!

☆

نئی نگاہ ، نیا آئینہ نہیں دیں گے
مجھے یہ نقشِ کہن راستہ نہیں دیں گے

یہ کوزہ گر جو مرا ارتقا نہیں سمجھے
نیا خمیر ، نئی کیمیا نہیں دیں گے

مرے مقام سے واقف ہیں میرے شہر کے لوگ
مرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیں گے

ہر اک نظر کو الگ زاویہ میسر ہے
کسی کی سوچ کو ہم دائرہ نہیں دیں گے

جواب دے تو دیا کہ جواب دینا نہیں
ہمیں نہیں ہے کوئی مسئلہ، نہیں دیں گے

حضور! آپ رکے ہیں، یہ کس روایت پر؟
سخن وری کو نیا ذائقہ نہیں دیں گے؟

ہم اپنے حال سے مایوس ہیں، سو فردا کو
کوئی فریب زدہ واقعہ نہیں دیں گے

چراغِ فکر جلائیں گے آگہی سے ہم
سیہ شبی کو سحر کی ردا نہیں دیں گے

جو بات آنکھ سے نکلی ہے دل تلک رہے گی
اس ابتدا کو کبھی انتہا نہیں دیں گے

دلِ تباہ! کوئی اور نام کیا لینا
بس ایک غم ہے بہت، دوسرا نہیں دیں گے

ہوس کا ننگ تمہیں بے لباس کر دے گا
فقیر لوگ تمہیں بد دعا نہیں دیں گے

بس ایک عشق نبھالیں ، یہی بہت ہمدمؔ
محبتوں کو نیا سلسلہ نہیں دیں گے

☆

انا پرست ہیں ، اپنی انا نہیں دیں گے
ہوا کے ہاتھ میں جلتا دیا نہیں دیں گے

ہمارا ہجر ستاروں کی اوٹ چمکے گا
کسی گلی ، کسی در پر صدا نہیں دیں گے

ہمارے ہاتھ لگا جو بہار کا موسم
گلوں کو پھر سے پرانی قبا نہیں دیں گے

ہم اپنے زور پہ رہتے ہیں ، لڑنا جانتے ہیں
کسی کے ہاتھ پرایا عصا نہیں دیں گے

یہ تجربہ ہے وفا میں فریب کھاتے ہوئے
کسی کو رسی کا دوجا سرا نہیں دیں گے

سبق ملا ہے قبیلے کے رکھ رکھاؤ سے
کسی کمیں سے کبھی مشورہ نہیں لیں گے

یہ خود پرست ہیں دولت کو پوجنے والے
کسی غریب کو اپنا خدا نہیں دیں گے

ہماری رمز کا زم زم کہاں سے نکلے گا؟
تمہیں جو عشق میں مروئ صفا نہیں دیں گے

سلجھ گیا ہے محبت سے مسئلہ دل کا
سو طے ہوا ہے کہ ہم تم دغا نہیں دیں گے

نئی زمین کو دیں گے نوائے موجِ غزل
فقط ردیف و قوافی، طرح نہیں دیں گے

جہاں پہ ذہنی غلاموں کا راج ہو ہمدمؔ
ہم اپنے عہد کو ایسی فضا نہیں دیں گے

☆

پھول جیسی زندگی ہے، خاک ہو جائے گی کیا؟
خواب کی دنیا خس و خاشاک ہو جائے گی کیا؟

پتھروں کو دیکھ کر بے باک ہو جائے گی کیا؟
آئنے کی آنکھ حیرت ناک ہو جائے گی کیا؟

روشنی کا در کھلے گا آگہی کے درمیاں
آخری دیوار بھی ادراک ہو جائے گی کیا؟

خاک دانی سے نکل کر ہم کہاں تک جائیں گے؟
طاقتِ پر، ہم سرِ افلاک ہو جائے گی کیا؟

کیا جنوں، اپنا لہو پیتا رہے گا عمر بھر؟
تیشۂ جاں کی تڑپ خوراک ہو جائے گی کیا؟

کام لینا پڑ رہا ہے تلخیوں سے جس طرح
نیم کی ٹہنی مری مسواک ہو جائے گی کیا؟

جسم اور جاں کے سبھی دھاگے بہت کم زور ہیں
ریشمی پوشاک میری چاک ہو جائے گی کیا؟

اک لکیرِ خام ہے پاتال میں کھینچی ہوئی
فکر کے دریا میں یہ تیراک ہو جائے گی کیا؟

دائرہ در دائرہ کوئی لپٹ جانے کو ہے
یاد کی ڈوری کبھی پیچاک ہو جائے گی کیا؟

آنکھ کھلتے ہی اندھیرا چھوڑ جائے گا ہمیں
پاک دھرتی ظلمتوں سے پاک ہو جائے گی کیا؟

خرچ ہوتا جا رہا ہوں ایک سگریٹ کی طرح
جلتے جلتے زندگی یوں راکھ ہو جائے گی کیا؟

چھوڑ کر ہمدؔم چلا جاؤں گا میں رزقِ سخن
شاعری اولاد کی املاک ہو جائے گی کیا؟

☆

زندگی مزدور کی خاشاک ہو جائے گی کیا؟
وقت کے عفریت کی خوراک ہو جائے گی کیا؟

منصفو! اب حل کرو ، افراطِ زر کا مسئلہ
چند روپے کی یہ دیہاڑی لاکھ ہو جائے گی کیا؟

کیا غریبِ شہر ہی پستا رہے گا ظالما!
ظلم کی چکی تری سفاک ہو جائے گی کیا؟

نوجوانی رزق کی تپتی سڑک پر ڈال دی
وقت کی بھٹی میں جاں بھی راکھ ہو جائے گی کیا؟

گردشِ ایام پر رکھا ہوا مزدور ہوں
میری حرکت اور محنت خاک ہو جائے گی کیا؟

خودکشی تہذیب میں لازم نہ ہو جائے کہیں
بڑھتے بڑھتے بھوک ہیبت ناک ہو جائے گی کیا؟

رزق کی حرمت کہاں ہمدؔم معاشی جنگ میں
جذبۂ دل سے یہ دھرتی پاک ہو جائے گی کیا؟

☆

کیا دین اختیار کیا؟ میں نے کیا کیا؟
بس پیار، پیار، پیار کیا، میں نے کیا کیا؟

کافی تھی ایک پل کی ملاقات، عمر بھر
کیوں لمس کو بخار کیا؟ میں نے کیا کیا؟

چہرے بدل رہے ہیں نگاہوں کے سامنے
آئینگی پہ وار کیا، میں نے کیا کیا؟

ہر بار آستین چڑھائی، درست کی
کس کس پہ اعتبار کیا؟ میں نے کیا کیا؟

احساس کی گلی میں گرانی کے باوجود
جینے کا کاروبار کیا، میں نے کیا کیا؟

جس شہر میں نظر بھی اٹھانا گناہ تھا
سچ بولنا شعار کیا، میں نے کیا کیا؟

منزل پڑی ہوئی تھی مری آگہی کے پیچ
ادراک سے فرار کیا، میں نے کیا کیا؟

پاؤں گریز پا تھے مگر دائرے میں تھے
ہر موڑ کو مدار کیا، میں نے کیا کیا؟

ملنا سراب، وصل جہاں پر عذاب تھا
ہجراں کا دشت پار کیا، میں نے کیا کیا؟

سائے پہ اعتبار نہ کرتا تھا جب کوئی
خود کو وفا گزار کیا، میں نے کیا کیا؟

اس کے بچھائے جال میں آنا پڑا اُسے
صیّاد کو شکار کیا، میں نے کیا کیا؟

خوں سبز ہو گیا ہے نمودِ بہار میں
بوڑھا شجر نہار کیا، میں نے کیا کیا؟

موقع گنوا دیا ہے محبت میں جیت کا
اظہارِ دل ادھار کیا، میں نے کیا کیا؟

کوئی نہیں شمار بکھرتے وجود کا
مٹی کو تاب کار کیا، میں نے کیا کیا؟

آنکھوں سے ایک اشک سمندر میں ڈال کر
دریا کو بے کنار کیا، میں نے کیا کیا؟

بجھنے لگی تھی آگ کہ پھر سے بھڑک اٹھی
کس راکھ کو شرار کیا، میں نے کیا کیا؟

یخ بستگی کے شہر میں چنگاریاں بھی تھیں
لہجے کو کیوں چنار کیا، میں نے کیا کیا؟

خاموش تھا تو بزم میں کیا کیا کلام تھا؟
بولا تو اختصار کیا، میں نے کیا کیا؟

وہ حبس تھا کہ مرنے لگا تھا تمام شہر
ماحول سازگار کیا، میں نے کیا کیا؟

خود کو گنوا کے عشق کمایا تھا ایک دن
یہ رزق یادگار کیا، میں نے کیا کیا؟

پچھتا رہا ہوں جیت کے خوفِ شکست پر
خود کو بھی شرمسار کیا، میں نے کیا کیا؟

کہسار پر بھی ضبط کا موسم گزر گیا
پتھر کو آبشار کیا، میں نے کیا کیا؟

سمجھے گا کون کون ہمارے مقام کو
تو نے تو خیر پیار کیا، میں نے کیا کیا؟

مجھ سے تو دوستی بھی نبھائی نہ جا سکی
اپنوں نے مجھ پہ وار کیا، میں نے کیا کیا؟

سب کچھ مرے قدیر کی قدرت کا کھیل ہے
کیا پوچھتے ہو یار کیا، میں نے کیا کیا؟

ہمدمؔ دل و دماغ میں کیسا فتور ہے؟
سر پر یہ کیا سوار کیا؟ میں نے کیا کیا؟

☆

حرف حرف خوشبو ہے، تازگی کا موسم ہے
میری زندگی ہے تو، شاعری کا موسم ہے

دل مرا قلندر ہے، عشق کا سمندر ہے
زندگی کے میلے میں بے خودی کا موسم ہے

طور ہے محبت کا، نور ہے عقیدت کا
ہم کلام! خاموشی! ان کہی کا موسم ہے

با مراد ہوں میں بھی، عشق زاد ہوں میں بھی
آؤ میرے حجرے میں مرشدی کا موسم ہے

صبح تیری آنکھیں ہیں، شام تیری زلفیں ہیں
تو الف سے ے تک ہی شاعری کا موسم ہے

سرد سرد ہونٹوں پر برف کا الاؤ ہے
موڈ ہے محبت کا یا مری کا موسم ہے

انگ انگ سبزہ ہے، دل پہ کس کا قبضہ ہے؟
خواہشوں کی وادی میں کس ندی کا موسم ہے؟

کتنے شوخ جذبوں کو پیرہن میں رکھتا ہے
یہ جو تیرے چہرے پر سادگی کا موسم ہے

ایک تیری چاہت نے دل سنبھال رکھا ہے
چارسو چراغاں ہے، روشنی کا موسم ہے

دھوپ، رنگ، ساون کا امتزاج اچھا ہے
کاسنی دوپٹے پر چاندنی کا موسم ہے

دشت ہے سرابوں کا، ہم حنوط بیٹھے ہیں
مصر کی ہوائیں ہیں، ساحری کا موسم ہے

ہر کلی محبت سے جھوم جھوم اٹھی ہے
تتلیوں کے جھرمٹ میں بے کلی کا موسم ہے

خواب کے جزیروں سے کس کی یاد آتی ہے
میرے گھر کی کھڑکی میں کس گلی کا موسم ہے

بے سبب اداسی میں پھول کھل نہیں سکتے
تیرے مسکرانے سے یہ ہنسی کا موسم ہے

شاعری قیامت کی پیش گوئی ہے ہمدؔم
آج کل زمانے میں آگہی کا موسم ہے

☆

کون، کس کی سنتا ہے؟ کب کہی کا موسم ہے؟
ہر کسی کی مرضی ہے، ہر کسی کا موسم ہے

ضبط ہے اناؤں میں، حبس ہے فضاؤں میں
جبر کے شکنجے میں بے بسی کا موسم ہے

آگ پھانکتے ہیں ہم، زہر چوستے ہیں ہم
آج کل تو قسطوں میں خودکشی کا موسم ہے

جھوٹ کی عدالت میں، مدعی گواہ بھی ہے
چپ رہیں تو کیسے ہم، گفتنی کا موسم ہے

جنگلوں کا راوی بھی چین لکھ رہا ہو گا
امن فاختائیں ہیں، آشتی کا موسم ہے

برف جم گئی ہے یا ہڈیوں میں پانی ہے
کیوں چنار وادی میں بے حسی کا موسم ہے؟

امن کی عجب خواہش جاگ اٹھی ہے لشکر میں
سرحدوں سے پہلے ہی بزدلی کا موسم ہے

ظلمتیں نہیں مٹتیں، صبحیں کیوں نہیں ہوتیں؟
کیا یہی ہے آزادی؟ روشنی کا موسم ہے؟

وقت کے جھمیلے میں جی مرا نہیں لگتا
بے مراد ہستی میں بے دلی کا موسم ہے

بھیگی بھیگی سڑکوں پر کیٹ واک جاری ہے
چال ہے حسینوں کی، فتنگی کا موسم ہے

رنگ روپ اچھا ہے، ذائقہ بھی میٹھا ہے
باثمر درختوں پر چاشنی کا موسم ہے

کیا دیا محبت کا ہم جلائیں گے ہمدؔم
دھند ہے، اندھیرا ہے، تیرگی کا موسم ہے

☆

مجبت سے اپنا بنا لو مجھے
سرِ خانۂ دل بسا لو مجھے

دیے کی طرح جھلملاتا رہوں
نئی روشنی میں اجالو مجھے

مری تاب لائے گی دنیا کہاں؟
ہواؤں کے در سے اٹھا لو مجھے

کسی طور پر بھی مکمل نہیں
تم ایسا کرو، پھر بنا لو مجھے

عجب رنگ چوکھا ، سجے پیار کا
اسی رنگ میں پھر سے ڈھالو مجھے

مری زندگی خواب ہونے لگی
نگاہوں میں اپنی سما لو مجھے

مرے دل کی ناؤ مچلنے لگی
بھنور سے کنارے بلا لو مجھے

میں بھولا سبق تو نہیں ہوں مگر
تمھیں شوق ہے تو بھلا لو مجھے

ذرا بے قراری مری کم تو ہو
کبھی کوچہ ء جاں سے آ لو مجھے

محبت بھی آوارگی ہے ، سنو!
سنبھل جاؤ خود بھی سنبھالو مجھے

جدائی سے مجھے راس آنے لگی
کسی اور مشکل میں ڈالو مجھے

رہی دل کی دنیا مری آرزو
خرابے سے آ کر نکالو مجھے

یہ نفرت کے شعلے نہیں، جانِ من
محبت سے بے شک جلا لو مجھے

محبت ہے ہمدؔم مری شاعری
غزل کی طرح گنگنا لو مجھے

☆

نورِ سحر ملا، میں چراغوں سے بھر گیا
خواہش کا آسمان ستاروں سے بھر گیا

دالان کیا سجا ہے محبت کی بیل سے
گھر دیکھتے ہی دیکھتے پھولوں سے بھر گیا

سورج کو اک چراغ دکھانے کی دیر تھی
منظر تمام شہر کی آنکھوں سے بھر گیا

کون آ گیا؟ کہ شہر کا موسم بدل گیا
بوڑھا شجر ہرا ہوا، پتوں سے بھر گیا

کیوں کر نہ انتساب محبت کے نام ہو
دیوان تیرے نام پہ شعروں سے بھر گیا

الجھا ہوں تار تار گریباں کے چاک سے
دامن مرا نصیب کے دھاگوں سے بھر گیا

رکھوں میں داستان کہاں عرضِ حال کی
کمرا مرا پرانی کتابوں سے بھر گیا

مہکے ہوئے گلاب ہیں خوشبو کے رنگ میں
بسترِ شبِ وصال کی یادوں سے بھر گیا

بے بال و پر گماں کے شجر سے اڑا کوئی
ایسا لگا کہ دشت پرندوں سے بھر گیا

انسان کا وجود تو جنت نظیر تھا
یہ کیا ہوا؟ جہان خرابوں سے بھر گیا

کس کس مریدِ وقت کو رستہ دکھائیں گے
یہ شہرِ نامراد تو اندھوں سے بھر گیا

جنگل سے اٹھ رہا تھا بڑی دیر سے دھواں
پھر یوں ہوا کہ شہر بگولوں سے بھر گیا

یارب ! مرے وطن کے غریبوں کی خیر ہو
میدان انقلاب کے جھنڈوں سے بھر گیا

اک سال اور بیت گیا ہے ترے بغیر
اک سال اور ہجر کے لمحوں سے بھر گیا

صاحب ! کسی حسین محبت کا ذکر کر
جی اوبھنے لگا ، تری باتوں سے بھر گیا

ہمدمؔ نظارگی میں سرابوں کی سیر کی
میں خوش خیال خواب جزیروں سے بھر گیا

☆

تو جہاں جہاں، میں وہاں وہاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
مری زندگی ہے رواں دواں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

میں ترے خیال کی موج سے کبھی تیر کر نہ نکل سکا
مری دھڑکنیں رہیں بے کراں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

یہ جو روشنی کا وفور ہے ، یہی زندگی کا شعور ہے
یہ چراغِ حرف دھواں دھواں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

کبھی دھوپ میں، کبھی چھاؤں میں، کبھی شہر میں، کبھی گاؤں میں
ترا پیار ہے مرا سائباں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

میں ترے بغیر نہ رہ سکوں، تو مرے بغیر نہ رہ سکے
یہی سلسلہ رہے درمیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

جو بھنور بھنور مرے سنگ ہے، جو نئے سفر کی امنگ ہے
مرا دل رہے مرا بادباں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

تری سر زمیں کا مکیں رہا، میں روایتوں کا امیں رہا
اے مرے جزیرہء رفتگاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

کبھی لڑکھڑا کے جھکا نہیں، میں بلندیوں سے گرا نہیں
مجھے روکتی رہیں آندھیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

نہ خلش گئی کسی کرب کی، نہ کسک مٹی کسی درد کی
ہیں ترے خیال کی چٹکیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

میں تری وفا کا اسیر ہوں کہ محبتوں کا سفیر ہوں
وہی پاؤں ہیں، وہی بیڑیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

یہ جو آئنے کا سراب ہے، مری آگہی، مرا خواب ہے
مجھے اچھی لگتی ہیں سیلفیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

☆

وہی کہکشاں، وہی آسماں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
جو دھنک دھنک رہے ضوفشاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

ترے وصل میں وہی کیف ہے، ترے ہجر میں وہی حال ہے
وہی شوخیاں، وہی تلخیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

تری قربتیں، تری چاہتیں مری زندگی کی لکیر ہیں
کہ مرا نصیب ہے مہرباں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

مری بے کلی، تری بے خودی، مرے رنگ میں، ترے انگ میں
ہے عجیب سی کوئی داستاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

وہی بے قرار سا خواب ہے، وہی ان کہی کا جواب ہے
وہ بلا پڑی ہے کہ الاماں ! ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

کبھی عرضِ حال نہ کر سکا ، میں کوئی سوال نہ کر سکا
مرا دل رہا مرا ترجماں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

وہی پارسائی وصال میں ، وہی نارسائی فراق میں
وہی قربتیں، وہی دوریاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

میں ترے وجود کے باغ میں ہوں روش روش پہ کھلا ہوا
وہی پھول ہیں، وہی تتلیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

مرے ہم سفر، مری منزلوں کا سراغ تو ہے چراغ تو
وہی راستے ، وہی سیڑھیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

وہی آبشارِ خیال ہے ، وہی اوجِ حسن و جمال ہے
سرِ خواب ہیں وہی وادیاں، ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

مرے ہم سخن، مرے ہم نوا، مرے ہمدمِ کفِ پارسا
رہے یوں ہی حجلۂ جسم و جاں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

☆

آئینے سے جو اختلاف کیا
اپنی صورت سے انحراف کیا

فرض جب عین شین قاف کیا
دل کی مسجد میں اعتکاف کیا

عمر گزری ہے دل رفو کرتے
چاکِ دامن ہمیشہ صاف کیا

کون جانے گا؟ کون سمجھے گا؟
ان کہی میں جو موشگاف کیا

در ضروری تھا روشنی کے لیے
گھر کی دیوار میں شگاف کیا

اس یقیں پر کہ کوئی اپنا ہے
ساری دنیا کو میں خلاف کیا

ہجر کاٹا ہے جاگ کر میں نے
تیری یادوں کو بے لحاف کیا

پہلی اور آخری محبت کی
جا دلا ! جا! تجھے معاف کیا

کب مری ذات مجھ پہ کھلتی تھی
مجھ پہ لوگوں نے انکشاف کیا

سر پہ یونہی دھنک نہیں تانی
مجھ پہ سورج نے انعطاف کیا

اے دیے کو بجھانے والی ہوا!
جا تجھے اپنا خوں معاف کیا

دل کو کعبہ بنا لیا ہمدمؔ
خواہشوں نے مرا طواف کیا

☆

نئے چراغ جلائے، جلا کے چلتے بنے
یہ کس نگر کے مسافر تھے، آکے چلتے بنے

پڑی ہوئی تھی محبت بھی اور نفرت بھی
ہم اپنے کام کی دولت اٹھا کے چلتے بنے

ہوا کے ہاتھ پہ اپنا وجود کیا رکھا
اٹھائی خاک، بگولے اڑا کے چلتے بنے

یہی نہیں کہ چراغِ سحر دکھایا ہے
ہم اپنے خواب کا سورج بنا کے چلتے بنے

یہ مختصر سی ملاقات بھی عذاب ہوئی
غمِ جدائی کی لذت گھٹا کے چلتے بنے

ہمارے حال سے واقف نہیں تھے کچھ کردار
ہمیں ہماری کہانی سنا کے چلتے بنے

کسی نے کرب نہ دیکھا اداس بستی کا
سب اپنے حصے کی خوشیاں منا کے چلتے بنے

نئے نئے تھے شکاری ، بہت اناڑی تھے
شجر پہ بیٹھے پرندے اڑا کے چلتے بنے

یہ مسئلہ بھی رہا ہے جدید لوگوں کا
پرانے نقش ابھارے، مٹا کے چلتے بنے

گریز پا مرے سائے میں ساتھ بیٹھ گئے
وہ جن پہ ناز تھا آنکھیں چرا کے چلتے بنے

حدیثِ وقت پہ رکھی ہے فکرِ آئندہ
ہم آنے والا زمانہ دکھا کے چلتے بنے

جفا سے کام چلایا خراب حالوں نے
جو قافلے تھے یہاں پر وفا کے چلتے بنے

جو کہہ رہا تھا سبھی سے چلا گیا آخر
''ہمارے شہر سے بندے خدا کے چلتے بنے''

ہمارے کام کی دنیا نہیں رہی ہمدؔم
بس ایک پل ہی رکے، مسکرا کے چلتے بنے

☆

سفر کی شام سے نکلا سحر تک آ گیا ہے
ستارا کس نگر سے کس نگر تک آ گیا ہے

مری آنکھوں سے تیری رونمائی ہو رہی ہے
محبت کرنے والا دل نظر تک آ گیا ہے

زمیں پر آسمانی روشنی پڑنے لگی ہے
اتر کر چاند پھر لعل و گہر تک آ گیا ہے

سنہری چاندنی خود پر اترتی دیکھتا ہوں
ترا یوں دیکھنا رشکِ قمر تک آ گیا ہے

گلابی رنگ چہرے کی دھنک میں کھل رہا ہے
یہ ہنستا گاتا موسم بھی ثمر تک آ گیا ہے

دل و جاں سے میں تجھ پر خرچ ہوتا جا رہا ہوں
وفا کا قرض بھی درد جگر تک آ گیا ہے

کوئی تو ہے جو میرے سنگ رہتا ہے ہمیشہ
کوئی تو ہے جو میری رہ گزر تک آ گیا ہے

کوئی سایہ مرے اطراف جلتا چل رہا ہے
کوئی سورج سلگتی دوپہر تک آ گیا ہے

پلٹ جانے کی خواہش دل ہی دل میں رہ گئی ہے
ہمارے پیچ کا رستہ کدھر تک آ گیا ہے

قفس میں بند ہے، شاخ ثمر بھی، بے ثمر بھی
پرندہ اڑتے اڑتے کس شجر تک آ گیا ہے

مجھے تو ضرب دے، تقسیم یا تحلیل کر دے
ترا مفرد عدد واجب کسر تک آ گیا ہے

وفا کی شرط لازم کر کے جو میرا ہوا تھا
تکلف برطرف کر کے، مگر تک آ گیا ہے

مری رفتار سے ڈرنے لگے ہیں کچھ پرندے
ہوا کا ہاتھ میرے بال و پر تک آ گیا ہے

پرائی جنگ کیوں مجھ پر مسلط ہو گئی ہے
قضیہ بڑھتے بڑھتے میرے گھر تک آ گیا ہے

عجب کارِ سیاست نے نیا انداز بدلا
کبھی زیرِ اثر تھا جو زبر تک آ گیا ہے

مجھے بھی امن کی خواہش پہ لڑ جانا پڑے گا
عدو تلوار لے کر میرے سر تک آ گیا ہے

مری تاریخ پتھر پر لکھی ہے ، دیکھیے گا
مری تہذیب کا ورثہ کھنڈر تک آ گیا ہے

مری مردانگی ہے یا کہ میری بے بسی ہے
کنارا تھا منے مجھ کو بھنور تک آ گیا ہے

محبت رہ گئی اچھے دنوں کا کوئی قصہ
وفا کا سلسلہ کس ہم سفر تک آ گیا ہے؟

چلو دیوار پر کوئی دیا روشن کریں ہم
اندھیرا بڑھتے بڑھتے بام و در تک آ گیا ہے

مرا لہجہ مری پہچان بن جائے گا ہمدمؔ
زباں کا ذائقہ حرفِ ہنر تک آ گیا ہے

☆

دِل کی دنیا سے کئی بار نکالی دنیا
خواب آور ہے مگر ایک خیالی دنیا

ہم کسی اور زمانے کے نمائندے تھے
ساری دنیا سے الگ، اپنی بنالی دنیا

یہ تماشا ہے، یہاں دل کا لگانا کیسا؟
آئینہ ساز دکھاتا ہے جمالی دنیا

حسنِ اعظم کی فقط ایک جھلک دیکھی تھی
حضرتِ عشق نے سر پر ہی اٹھالی دنیا

تو خرابہ ہے، خرابے کے سوا کچھ بھی نہیں
کب ارسطو نے کہا؟ تجھ کو مثالی دنیا

دیکھیے کون سے مہرے پہ کمر ٹوٹتی ہے
ہم نے شطرنج کی بازی پہ لگا لی دنیا

اب تو گھر سے بھی نکلتے ہوئے ڈر لگتا ہے
کتنی آسیب زدہ ہو گئی خالی دنیا

ظلمتِ شب کی سیاہی سے نمودار ہوتی ہے
صبح ہوتی ہے تو سو جاتی ہے کالی دنیا

کس کی آنکھوں نے شبستان کو آباد کیا
کن ستاروں نے سرِ خواب اجالی دنیا

ساتھ ٹھہرا نہ کوئی شہرِ قرنطینہ میں
کام آئی نہ کسی طور وبالی دنیا

ہم نے لکنت کے مریضوں کو روانی بخشی
ہم پہ انگشت بدنداں ہے سوالی دنیا

شکوۂ کوچۂ فردا کا خیال آتا ہے
کیسے ہنگامۂ امروز نے ٹالی دنیا

سحر انگیز کیا کس کی غزل خوانی نے
روتے روتے بھی بجاتی رہی تالی دنیا

جینے والوں پہ کئی بار قیامت ٹوٹی
جینے والوں نے کئی بار سنبھالی دنیا

میں نے جنت کے اصولوں سے بغاوت کی تھی
میرے دامن میں خداوند نے ڈالی دنیا

ہم نے کچھ حرف روایت سے نکالے ہوئے ہیں
کرتی رہ جائے گی بے کار جگالی دنیا

ایک پلڑے میں رکھی اپنی محبت ہمدمؔ
ایک پلڑے میں رکھی خواب خیالی دنیا

☆

بنا رہے ہیں محبت سے ہم در و دیوار
ہمارے بعد منائیں گے غم در و دیوار

اسی نظامِ تنفس پہ ہے عمارتِ دل
ترے وجود پہ لیتے ہیں دم در و دیوار

کسی وجود کا سایہ اگر میسر ہو
سفر کی دھوپ میں پڑتے ہیں کم در و دیوار

ہمارے خواب کی دنیا میں دشت پڑتا ہے
ہمارے پیچھے رہیں گے عدم در و دیوار

پھر اس کے بعد بدن پر کمند ڈالی گئی
کیے تھے پہلے عدو نے قلم در و دیوار

اسیرِ دشتِ وبا ہو رہا ہوں نادیدہ
اٹھا رہا ہوں قدم در قدم در و دیوار

تمام اونچی فصیلیں گرائی جائیں گی
کریں گے شہر کو بھی منقسم در و دیوار

اسی خمیر سے دنیا اٹھائی جائے گی
کھنڈر کی ریت پہ کر دو رقم در و دیوار

ہمارے گھر کو سنوارا ہے سبز بیلوں نے
بلند رکھے ہوئے ہیں علم در و دیوار

تمام شہر کے رستے دلوں میں آ کے ملیں
گلی گلی سے ملائیں بہم در و دیوار

ہماری دشت خیالی میں کس کی آمد ہے؟
دکھائی دینے لگے ہیں حرم در و دیوار

میں اپنے آپ سے باہر بھی اپنے گھر میں رہوں
الٰہی ! خیر ! کہ رکھ لیں ، بھرم در و دیوار

زمین زاد نہیں تو ، تجھے خبر کیا ہو؟
ہمارے شہر کا قصہ، الم، در و دیوار

گریز پائی میں آ کر گلے ملے گا کون؟
وبائی دور میں دیکھے ہیں نم در و دیوار

فضائے جبر میں ہمدؔم سمٹنے والا ہوں
بڑھا رہے ہیں مسلسل قدم در و دیوار

☆

بے کراں سمندر ہے، موجۂ خیال اپنا
کس طرح دکھائے گا آئنہ کمال اپنا

حسن کیا؟ ادا کیا ہے؟ کم نگاہ کیا جانیں
آنکھ ہے زمانے کی اور ہے جمال اپنا

دل کو چھو رہے ہو تم ، احتیاط لازم ہے
سینت سینت رکھا ہے، قیمتی ہے مال اپنا

کیا یہی نہیں کافی؟ ایک شخص تیرا ہے
چھوڑ دے زمانے کو، راستہ نکال اپنا

سوچ لو ، یہی میرا آخری دسمبر ہے
کس طرح گزارو گے؟ میرے بعد سال اپنا

آنکھ اور دنیا کی ، دل الگ زمانے کا
منفرد ہے چال اپنی ،رنگ بے مثال اپنا

دور رہ نہیں سکتے ،ایک دوسرے سے ہم
زندگی محبت ہے، عشق ماہ و سال اپنا

دیکھتے ہیں رنگوں سے کیا وجود پاتا ہے؟
کینوس پہ رکھا ہے نقشِ خوش خیال اپنا

تیرگی کے ماروں کو روشنی ضرورت ہے
ایک شمع روشن کر، اک دیا اجال اپنا

ہم نے چند خوابوں کی آرزو لہو کی تھی
زندگی کے چہرے پر آ گیا گلال اپنا

چپ رہے تو جنگل کی وحشتیں بڑھاتا ہے
کوئی سہہ نہیں سکتا آتشیں ابال اپنا

جاں سے مار ڈالے گا مسئلہ اداسی کا
کیسی بے قراری ہے، جسم ہے نڈھال اپنا

ہجرتیں ضروری تھیں، لوگ شہر چھوڑ آئے
کون کون سمجھے گا ہجر کو ملال اپنا

کیا کرے گا چارہ گر، لا علاج لوگوں کا
زخم ہیں جدا سب کے اور اندمال اپنا

جانے کس تمنا میں عمر ہم گنوا بیٹھے
زندگی پہ بنتا ہے، آخری سوال اپنا

شعر کی زباں ہمدؔم لوگ کب سمجھتے ہیں؟
دل پہ ہاتھ رکھا ہے، کیا کہوں میں حال اپنا

☆

خواب و خیال چھوڑ کے حیرت سے دیکھیے
جو کچھ دکھا رہا ہوں محبت سے دیکھیے

جو خواب دیکھتا تھا، دکھانے لگا ہوں میں
مجھ کو مرے خیال کی نسبت سے دیکھیے

کیا کچھ دکھا رہا ہے فریبِ نظر ہمیں
خوابوں کا شہر دور کہیں چھت سے دیکھیے

نظارگی میں آنکھ جھپکنا بھی جرم ہے
اک پھول سا بدن ہے نزاکت سے دیکھیے

بھرتا نہیں ہے دل مرا کم التفات سے
اے کم وصال ! اور بھی رغبت سے دیکھیے

آسیب بڑھ رہا ہے مرے شہر کی طرف
جنگل کو چھوڑیے مری وحشت سے دیکھیے

ممکن ہے شش جہات سے باہر دکھائی دوں
مجھ کو حضور چشمِ بصیرت سے دیکھیے

میں زندگی کا راز سمجھنے کی دھن میں ہوں
کچھ دیر مجھ کو میری ضرورت سے دیکھیے

پہلے کشید کیجیے دل سے نمک حضور!
پھر اس کے بعد زخم کو شدت سے دیکھیے

اے کم نگاہ ! شوخ یہ ذوقِ نظر نہیں
میں چاہتا ہوں، اور بھی چاہت سے دیکھیے

آتا ہے کون کون ؟ اسے چھوڑتا ہے کون
ماحول میرے شہر کا ہجرت سے دیکھیے

یہ جان لیجیے کہ کسی کی نظر میں ہوں
میں خواب ہوں کسی کا نہ حیرت سے دیکھیے

کچھ وقت کے لیے ہوں میسر ہوں، سو اہلِ دل
مجھ کو مرے وجود کی صورت سے دیکھیے

راہ بر کے روپ میں بھی ہیں راہ زن چھپے ہوئے
اس قافلے کو اس کی قیادت سے دیکھیے

مانا کہ اپنے قد کے برابر نہیں مگر
لیجے ہماری آنکھ! سو قامت سے دیکھیے

ہر چیز کم نظر ہے بونوں کے شہر میں
ہر چیز اپنی اپنی حقیقت سے دیکھیے

خوش بو ہے خار و خس کو معطر کیے ہوئے
پھولوں کا حسن باغ کی رنگت سے دیکھیے

واحد کا رنگ آ گیا شاہد کے رنگ میں
خلوت نشیں کا حسن بھی جلوت سے دیکھیے

کیا فرق رہ گیا ہے محبت کے باب میں
معبود اور حبیب کی قربت سے دیکھیے

باطن مرا کھلے گا کسی اور ہی جہاں
ظاہر مرا زمین کی خلعت سے دیکھیے

جو پل گزر گیا ہے، کسی کا نہیں رہا
یہ گردشِ مدام ہے حرکت سے دیکھیے

اہلِ نظر سے آپ کو نسبت نہیں رہی
ایسا کریں کہ آپ بھی دولت سے دیکھیے

بے مول بک رہے ہیں تراشے ہوئے گہر
ہر چیز کا مقام نہ قیمت سے دیکھیے

کیوں آپ اپنے آپ کو ڈالے ہیں آگ میں
دوزخ میں جل بجھیں گے نہ جنت سے دیکھیے

تہذیب کا کھنڈر ہے زمانے کی داستاں
تاریخ کا سفر ہے یہ عبرت سے دیکھیے

کیا کچھ دکھا رہا ہوں میں جدت کے نام پر
اٹھیے جناب ! اپنی روایت سے دیکھیے

ہمدؔم سخن کا رزق کمانا سہل نہیں
حرف و ہنر کی رمز ریاضت سے دیکھیے

☆

شہرِ خیال و خواب کا گل زار بخش دے
موجِ غزل ! غزال کو رفتار بخش دے

کچھ دیر، میرے سر پہ ترا سائباں رہے
کچھ دیر ، مجھ کو سایۂ دیوار بخش دے

جو کچھ نہاں رکھا ہے اسے روشنی میں لا
اے ہم خیالِ آئنہ ! زنگار بخش دے

ہے قاتلہ یہ آنکھ غزالی ، ثبوت ہے
گر دل کا بس چلے، تجھے سو بار بخش دے

مانا کہ داستانِ زمانہ مری نہیں
لیکن مجھے بھی چھوٹا سا کردار بخش دے

یوں بار بار چاک پہ آنے سے میں رہا
مجھ کو مرے وجود کا معیار بخش دے

مصرع کنارِ چشم کسی شعر میں ڈھلے
بحرِ سخن! خیال کو پندار بخش دے

یہ سال جا رہا ہے، دسمبر کی شام سن!
بس پیار، پیار، پیار، مجھے پیار بخش دے

گلشن کی آب و تاب اسی سبزگی سے ہے
پھولوں کو جاں نثار ہر اک خار بخش دے

یہ لوگ اپنے قد کے برابر نہیں ہوئے
ان بے سروں کو حرمتِ دستار بخش دے

اے خاک! میری ماں! جو نمودِ بہار ہو
مجھ کو بھی اپنے دودھ کی وہ دھار بخش دے

اے عشق! زندگی کا لبادہ رفو بھی کر
دامن ہے چاک چاک، مجھے تار بخش دے

ایسا نہ ہو کہ مار دے یہ خود شکستگی
میں جیتنے لگا ہوں، مجھے ہار بخش دے

میں بھی پڑا ہوا ہوں غمِ روزگار میں
کچھ بھاؤ تاؤ، مجھ کو طرح دار بخش دے

تو جانتا ہے حال، مرا حال ہی نہیں
اس بے خودی کو صاحبِ اسرار بخش دے

مصروف زندگی ہے مرے یار! رحم کر!
فرصت نکال، کوئی تو اتوار بخش دے

رحمت کے تاج دار ، تجھے اختیار ہے
تو آزبخش دے،کہ مجھے پار بخش دے

بے دار ہو رہا ہے ترے خواب سے ابھی
ہمدؔم چراغِ صبح کو دیدار بخش دے

☆

کبھی اپنے نام رکھنا، کبھی میرے نام رکھنا
یہ چراغِ زندگی ہے، اسے تھام تھام رکھنا

مرے خواب کا اجالا مرے ہم سفر تمھی ہو
مری صبحِ نو یہی ہے، مری شب دوام رکھنا

اسی نقش کو چھوئیں گی مری شب گزار آنکھیں
مرے آسمان پر بھی یہ مہِ تمام رکھنا

یہی کربِ نارسائی، مرا شوق ہے، جنوں ہے
مری پیاس بجھ نہ جائے، مجھے تشنہ کام رکھنا

کوئی کام ہی نہیں ہے، مجھے پیار کے علاوہ
نہ کسی سے بات کرنا، نہ کسی سے کام رکھنا

یہ طلوعِ حسن کیا ہے؟ یہ غروبِ عشق کیا ہے؟
کبھی صبح اوڑھ لینا، کبھی سر پہ شام رکھنا

مری رہ گزر وفا ہے، دل و جاں بچھا رہا ہوں
یہی دل کا راستہ ہے، اسے شارع عام رکھنا

کسی شام یوں ملیں گے، کبھی غم غلط کریں گے
کوئی جھیل ڈھونڈ لینا، کوئی اہتمام رکھنا

یہ ادائے دلبری ہے کہ سرورِ زندگی ہے
کبھی چائے پیش کرنا، کبھی سادہ جام رکھنا

یہ سخن تمام ہمدمؔ، ترے دل سے گفتگو ہے
یہی حاصل غزل ہے، تجھے ہم کلام رکھنا

☆

محبت : دھڑکنوں کا رابطہ ہے
محبت تم سے ہے، دل کہہ رہا ہے

محبت ؛ سانس کے ریشم کی ڈوری
محبت ؛ دل سے دل کا سلسلہ ہے

محبت بے خودی ہے ، دل لگی میں
محبت پیار کا پہلا نشہ ہے

محبت ہو گئی کیسے بتائیں؟
محبت خوب صورت حادثہ ہے

محبت معرفت کا حسنِ معنی
محبت آگہی کا راستہ ہے

محبت ہم سخن ہے، ہم زباں ہے
محبت ہم کلامِ آئنہ ہے

محبت لا الٰہ کا راز کھولے
محبت کیا نہیں ہے؟ اور کیا ہے؟

محبت ہر ولی کی ہے کرامت
محبت ہر نبی کا معجزہ ہے

محبت ابتدا ہے زندگی کی
محبت ہر خوشی کی انتہا ہے

محبت ہجر میں روشن الاؤ
محبت قربتوں سے ماورا ہے

محبت در پہ ٹھہرا اک ستارا
محبت بام پر جلتا دیا ہے

محبت کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کون سمجھے؟
محبت زندگی کا مسئلہ ہے

محبت م، ح، ب، ت پہ مصرع
محبت نظمیہ ہے، غزلیہ ہے

محبت شاعری کا حسن ہمدؔم
محبت ہر غزل کا قافیہ ہے

☆

چراغِ دل جلے ، ممکن ہے میرا
سحر یہ ہے کہ روشن دن ہے میرا

مرا کردار آئنہ ہوا ہے
جو ظاہر ہے وہی باطن ہے میرا

میں تیرا ہو چکا ، میری محبت!
قیامت ہجر تیرے بن ہے میرا

بھروں گا جست میں دل کی زمیں سے
ابھی پچھلا قدم ساکن ہے میرا

ابھی پہلی محبت نوجواں ہے
ابھی تو عشق بھی کم سن ہے میرا

مقدر میں سہانی بارشیں ہیں
حسیں موسم وہی کن من ہے میرا

محبت با شریعت ہو چکی ہے
تعلق تجھ سے یہ بائن ہے میرا

میں آدھا خواب ہی کب دیکھتا ہوں؟
ادھورا کام ناممکن ہے میرا

مجھے تقسیم کر کے دیکھتا ہے
شکستہ آئنہ لیکن ہے میرا

مرے اطراف رقصِ زندگی ہے
جہانِ جان و دل محسن ہے میرا

مجھے اپنی محبت پر یقیں ہے
خدائے لم یزل ضامن ہے میرا

جواں ہوں شاعری میں معتبر ہوں
یہی سترہ برس کا سن ہے میرا

کوئی صادق امیں ہو کیسے ممکن
امیرِ شہر ہی خائن ہے میرا

بہ قولِ خیر میں بھی کہہ رہا ہوں
"بدن پتھر ہے، دل مومن ہے میرا"

سخن ہے گوہرِ نایاب ہمدمؔ
شعورِ حرفِ جاں خازن ہے میرا

☆

کس کو منزل کی خبر؟ کیا رہ گزر میں کچھ نہیں
کون کہتا ہے؟ مرے خوابِ سحر میں کچھ نہیں

خواب تک گروی رکھے ہیں کوچہء افلاس میں
خرچ ہوتا جا رہا ہوں اور گھر میں کچھ نہیں

ماورائے دید کیا رکھا ہوا ہے سامنے
خواب کی دنیا مری تشنہ نظر میں کچھ نہیں

یہ خزانہ کم پڑا ، تشبیہ دینے کے لیے
تجھ سوا میرے لیے لعل و گہر میں کچھ نہیں

کیمیائے زیست کا جوہر کسے معلوم ہے؟
غور سے دیکھیں جہانِ بحر و بر میں کچھ نہیں

کچھ نہ کچھ تو چل رہا ہے پیش و پس کے درمیاں
خامشی ہے بس جوابِ مختصر میں کچھ نہیں

بے یقیں دیوار پر سارا سفر بے کار ہے
اس نگر میں کچھ نہیں یا اُس نگر میں کچھ نہیں

میں چلا تو ہر قدم پر بستیاں آباد کیں
راستہ سمجھا مرے رختِ سفر میں کچھ نہیں

بے اماں رت کی اسیری میں پڑے مر جائیں گے
جن پرندوں کے لیے بوڑھے شجر میں کچھ نہیں

کچھ دنوں سے زندگی کا ساز بے آواز ہے
کیا ہوا ہمدؔم ترے حرفِ ہنر میں کچھ نہیں

☆

نشیب دیکھا، فراز دیکھا، عروج دیکھا، زوال دیکھا
تری محبت میں ہر قدم پر عجیب دھڑکن کا حال دیکھا

عمیق لہروں کے دائرے سے عقیق چہرہ نکل رہا تھا
ندی کنارے سفید پانی میں عکسِ صبحِ جمال دیکھا

میں خود شکستہ نہیں تھا لیکن کوئی بہانہ تو چاہیے تھا
جہاں پہ بازی پلٹ رہی تھی، وہاں پہ سکہ اچھال دیکھا

مری سمجھ کیا؟ مرا ہنر کیا؟ مری اپج کیا؟ مری نظر کیا؟
نہ رمز پائی، نہ نقش کھینچا، نہ خط اٹھایا، نہ خال دیکھا

محبتوں کے ہزار قصے میں پڑھ چکا تھا کہانیوں میں
جواب میں نے رٹا ہوا تھا، سوحل کیا، پھر سوال دیکھا

لپٹ رہے تھے کئی اندھیرے چراغِ نورِ سحر سے لیکن
کسی نظر نے طلسم توڑا، جہان سارا اجال دیکھا

یہ ہجر دونوں کے بیچ حائل ہوا ہے لیکن سوال یہ ہے
میں کب تجھے ہم سفر نہ سمجھا؟ نہ کب تجھے ہم خیال دیکھا

یہ کس کی آمد نے زرد موسم کا رخ بدل کر ہی رکھ دیا ہے
خزاں کے چہرے پہ رنگ آیا، لبوں پہ کھلتا گلال دیکھا

گئے دسمبر کی ڈائری میں یہ ایک مصرع لکھا ہوا ہے
تری طلب میں ہزار صدیوں پہ مشتمل ایک سال دیکھا

کلام ہمدمؔ نہیں ہوا ہے، یہ شعر یوں ہی نہیں ہوا ہے
سرابِ دشت خیال دیکھا، فریبِ چشمِ غزال دیکھا

☆

حرف کی شان بڑھانے آئے
شعر کہنے کے زمانے آئے

بے چراغی میں سحر کا تارا
لو محبت کی بڑھانے آئے

کتنے بے دار تھے سونے والے
خواب در خواب جگانے آئے

تیری خوشبو سے معطر جھونکا
دل کا دالان سجانے آئے

غالب و میر، فراز و ناصر
عشق کا عین پڑھانے آئے

تیری تصویر بنی پس منظر
سیلفیاں لوگ بنانے آئے

میرے ادراک میں رہنے والا
نقش سے رمز اٹھانے آئے

داستاں اور پراسرار ہوئی
بات در بات فسانے آئے

دشت آباد بھی شہرِ دل میں
وحشتِ خاک اڑانے آئے

علم، اخلاص، محبت، ہمدمؔ
میرے حصے میں خزانے آئے

☆

پہلا ہے محبت کا سبق ، یاد کیے جا
ویران کدہ عشق سے آباد کیے جا

میں بھی تو ترے دل کے پرستاں میں پڑا ہوں
مجھ کو بھی محبت سے پری زاد کیے جا

دل جبر کی آغوش میں کب تک تو رکھے گا
جو سنگ مقید ہے وہ آزاد کیے جا

کیا سوچ رکھوں کل کے لیے پہلے بتا دے
تعبیر مرے خواب کی بنیاد کیے جا

پھولوں سے اجلتے ہوئے دالان کو دیکھوں
ظلمت کے دریچے کو سحر زاد کیے جا

سورج کی مسافت میں کڑی دھوپ پڑے گی
سائے کی طرح مجھ کو بھی ہم زاد کیے جا

فرصت نہ ملے، تیری محبت کے جنوں میں
گنتی سے وراخوشیوں کی تعداد کیے جا

پھیلے ہوئے دامن پہ ہی صدقہ نہ دیا کر
سمٹے ہوئے ہاتھوں کی بھی امداد کیے جا

صیقل سے مجھے ہونا ہے ابھی دستِ تمنا
پھر چوٹ لگا مجھ کو بھی فولاد کیے جا

اِس بار محبت سے محبت کا صلہ دے
اِک رسم نئی شہر میں ایجاد کیے جا

آواز کی خوشبو سے ملا بولتی آنکھیں
خوش تاب نگاہوں سے مجھے شاد کیے جا

یادوں کی اسیری سے نکل جانے لگا ہوں
اک دامِ قفس اور بھی صیاد کیے جا

آنکھوں سے کسی شعر کی تصویر بنا دے
ہمدؔم کو سرِ بزم غزل زاد کیے جا

☆

سنا ہے ایک جیسے آدمی ایجاد بھی ہوں گے
سنا ہے آئنہ صورت، کئی ہم زاد بھی ہوں گے

سنا ہے سانس کی گاڑی نئی رفتار پکڑے گی
سنا ہے وقت کے قیدی کبھی آزاد بھی ہوں گے

بغاوت جبر کے سارے ہنر خود آزماتی ہے
سنا ہے آج کے صید زبوں صیاد بھی ہوں گے

کوئی ٹائم مشین گزری ہوئی دنیا دکھائے گی
سنا ہے پھر یہی لمحے، ہمارے بعد بھی ہوں گے

مشینی دھڑکنیں انسان کو مضبوط رکھیں گی
سنا ہے سوچنے والوں کے دل فولاد بھی ہوں گے

کئی ویرانیاں، تنہائیاں، وحشت سے نکلیں گی
سنا ہے بانجھ صحرا صاحبِ اولاد بھی ہوں گے

نئی تہذیب کے خود کار سسٹم کی سہولت میں
سنا ہے درسِ دل دیتے ہوئے استاد بھی ہوں گے

بڑھائی جا رہی ہے آگہی تعلیم سے پہلے
سنا ہے طفلِ مکتب علم کے نقاد بھی ہوں گے

یہ ناممکن کو ممکن میں بدلنے کی روایت ہے
سنا ہے بے ستوں رستے، نئے فرہاد بھی ہوں گے

یہ دنیا ڈیجیٹل تصویر سے آگے بھی نکلے گی
سنا ہے دیکھنے والے تماشازاد بھی ہوں گے

وہ جن کا سانس لینا بھی معیشت کا خسارا ہے
سنا ہے بعد مرنے کے وہ زندہ باد بھی ہوں گے

سنہرے خواب آنکھوں میں سجائے شاد رہتے ہیں
سنا ہے پھر یہی خوش تاب، خوش آباد بھی ہوں گے

زمیں پر بسنے والوں کی یہی تقدیر ہے شاید
سنا ہے انقلاباتِ فلک روداد بھی ہوں گے

سنیں گے وقت کی آواز کو ٹائم سپیکر سے
سنا ہے خاک زادے وارثِ اجداد بھی ہوں گے

سنا ہے لگژری دنیا فقط دو چار پل کی ہے
سنا ہے یہ خراباتِ جہاں برباد بھی ہوں گے

بہت مصروف رکھے گا جہاں خود کار انساں کو
سنا ہے خود سے ملنے کے فسانے یاد بھی ہوں گے

کریں گے آٹو میشن ایج میں ہنگامۂ فردا
سنا ہے سرخ رو اس قوم کے افراد بھی ہوں گے

سنا ہے تاب کاری سے نمودِ زندگی ہو گی
سنا ہے زرد مٹی میں ہرے آباد بھی ہوں گے

سو ہمدمؔ واقعہ یہ ہے کہ جدت کی روایت میں
سنا ہے حرفِ آئندہ، نئے اعداد بھی ہوں گے

(اپنے مصرع پہ طرحی غزل)

خواب داری میں ستاروں کو سحر کرنا ہے
''میں نے آنکھوں کے سمندر میں سفر کرنا ہے''

دل کے رستے پہ محبت کا سفر کرنا ہے
تو نے آباد مرا خواب نگر کرنا ہے

کیا لطافت مری آنکھوں میں سمائی ہوئی ہے
کس محبت سے ترے دل پہ اثر کرنا ہے

تجھ کو چاہا ہے تو چاہت کا تقاضا یہ ہے
خود سے انکار، خودی سے بھی مفر کرنا ہے

قرب جذبات کی شدت کو بڑھا دیتا ہے
ضبط مشکل ہے محبت میں مگر کرنا ہے

تیری آنکھوں کا اشارہ ہے کنارہ میرا
زاویہ دل کا جدھر تو ہے، ادھر کرنا ہے

تجھ کو دیکھے چلے جانا ہے، جہاں تک تو ہے
یہ نظارا بھی مجھے حدِّ نظر کرنا ہے

تیرے قدموں میں بچھانی ہیں سریلی آنکھیں
دل کی دھڑکن کو تری راہ گزر کرنا ہے

تجھ کو سوچے چلے جانا ہے عبادت میری
میں نے اب یاد تجھے آٹھوں پہر کرنا ہے

اپنے سائے پہ بھروسہ ہے مگر جانے کیوں؟
دھوپ کے سنگ ہرا دل کا شجر کرنا ہے

روشنی برگِ دمیدہ سے کشیدہ کر کے
زرد ہوتے ہوئے پھولوں کو ثمر کرنا ہے

استعارہ نہیں کوئی بھی ہے تیرے جیسا
حسن کو چاند نہیں ، رشکِ قمر کرنا ہے

عشق آباد سے ملتا ہے علاقہ دل کا
اپنی ہستی کو یہیں خاک بسر کرنا ہے

تجھ پہ واری ہوئی سوغات غزل کرنی ہے
یہ سخن صدقہ ء اربابِ نظر کرنا ہے

جھوٹ پر جھوٹ کی تکرار نظر آتی ہے
سچ کے پیرو کو مگر صرفِ نظر کرنا ہے

درد جیسی کوئی دولت نہیں ملنے والی
اشک ہوتے ہوئے جذبوں کو گہر کرنا ہے

راز جینے کا مرا حرفِ ہنر جانتا ہے
کس کلیشے سے سخن زار میں گھر کرنا ہے

چند لمحوں کی ملاقات بہت ہے لیکن
چند یادوں کو ابھی زادِ سفر کرنا ہے

اپنی اوقات بدلنی ہے ، بدل کر دنیا
زیر ہوتے ہوئے لوگوں کو زبر کرنا ہے

میں جنوں زاد کنارے پہ نہیں رہ سکتا
میں نے ساحل پہ بھی موجوں کو بھنور کرنا ہے

سب چلے جائیں گے دنیا سے کنارہ کر کے
کس نے آباد یہ ویران کھنڈر کرنا ہے

اب کسی تاج محل میں نہیں رہنا ہمدؔم
ہم نے ہر خواب حقیقت میں امر کرنا ہے

☆

احساس کے دھارے پہ سفریوں ہی نہیں ہے
تجھ تک ہے، مرا خوابِ سحریوں ہی نہیں ہے

وجدان ہوا نقشِ قدم دیکھ رہا ہوں
آئینہ ء دل پیشِ نظر یوں ہی نہیں ہے

یہ ذوقِ جنوں دشتِ حقیقت کا سفر ہے
صحرا میں کوئی خاک بسر یوں ہی نہیں ہے

شب گیر چراغوں میں ستاروں کی نمو ہے
یہ اشک نما لعل و گہر یوں ہی نہیں ہے

کھینچے ہیں محبت سے خد و خال کسی نے
مٹی کا بدن رشکِ قمر یوں ہی نہیں ہے

پیلے بھی ہرے ہو کے گراں بار ہوئے ہیں
سرسبز درختوں پہ ثمر یوں ہی نہیں ہے

دن رات سلگتا ہوں، میں سگریٹ نہیں پیتا
لیکن مرے سینے میں شرر یوں ہی نہیں ہے

حیرت ہے کہ جو یوں ہے اسے یوں نہیں کہنا
پھر کیا ہے مری جان! اگر یوں ہی نہیں ہے

جی جان کی بازی ہے، یہ ہونا بھی کسی کا
لازم ہے محبت بھی مگر یوں ہی نہیں ہے

دو چار قدم دور مرا پریم نگر ہے
کچی ہے مگر دل کی ڈگر یوں ہی نہیں ہے

یہ خواب خیالی تو نزاکت ہے سخن کی
اشعار میں یہ پتلی کمر یوں ہی نہیں ہے

اعراب سے بڑھ جاتی ہے اوقات سخن کی
یہ زیر نہیں یوں ہی، زبر یوں ہی نہیں ہے

دن رات محبت کا نشہ کھینچ رہا ہے
احساس ترا آٹھوں پہر یوں ہی نہیں ہے

خود کو بھی گنوا دیں تو خسارا نہیں ہوتا
قسمت میں یہ مخلوط کھر یوں ہی نہیں ہے

یوں ہی نہیں کہتا کہ محبت مری تم ہو!
آنکھوں میں نمو، دل پہ اثر یوں ہی نہیں ہے

ہر چیز تری یاد سے منسوب کیے ہوں
یہ شہر مری راہ گزر یوں ہی نہیں ہے

دونوں ہی محبت میں گرفتار ہوئے ہیں
یہ پیار ادھر اور ادھر یوں ہی نہیں ہے

آزاد فضاؤں کو نمودار کرے گا
یہ گھر ہے پرندوں کا شجر یوں ہی نہیں ہے

ہجرت کی علامت کہ اسیری کا اشارا
رستے میں پڑا کونج کا پر یوں ہی نہیں ہے

ادراک مرا دل کی صدا دیکھ رہا ہے
دیوار میں ہوتا ہوا در یوں ہی نہیں ہے

اک عمر گزر جاتی ہے اس دشت میں ہمدمؔ
تصویرِ سخن، حرفِ ہنر یوں ہی نہیں ہے

☆

آسان سا رستہ ہے مگر دھیان میں رکھنا
مشکل ہے سحر خواب کے امکان میں رکھنا

وحشت کے اندھیروں میں یہی ساتھ رہے گا
یادوں کا دیا ہجر کے سامان میں رکھنا

دیوارِ شکستہ سے نمودار ہوا ہے
یہ جذبۂ تعمیر دل و جان میں رکھنا

یہ دشتِ محبت کا سفر سہل نہیں ہے
احساس کے پر کھول کے وجدان میں رکھنا

محبوب سے ملنے کی طلب مرنے نہ دینا
یہ عشق کی لو ہے، اسے ایمان میں رکھنا

خوشبو کی طرح میں بھی ترے سنگ رہوں گا
اک پھول مرے واسطے گل دان میں رکھنا

دیوار سے لپٹی ہوئی دھڑکن کی صدا ہے
سرسبز امربیل کو دالان میں رکھنا

اک خواب محل تیرے لیے رکھا ہوا ہے
سجتا ہے مجھے تجھ کو تری شان میں رکھنا

وہ قادرِ مطلق ہے، ترے دل کی سنے گا
اک حرفِ دعا کاسہ ء پیمان میں رکھنا

میں بھی تو ترے ہاتھ سے چھینا ہوا پل ہوں
مجھ کو بھی کسی درد کے عنوان میں رکھنا

تقدیسِ محبت کا تقاضا ہے، مجھے بھی
ریشم سے بنے پیار کے جزدان میں رکھنا

دنیا کے خداؤں سے مری جنگ یہی ہے
ہارے ہوئے لشکر کو بھی میدان میں رکھنا

تصویر بنانا مری اشعار سے ہمدؔم
ارمان مرے حرفِ سخن دان میں رکھنا

☆

کیا خبر تھی راستے میں، دل کہاں کھونے کا تھا
خواب داری کا سفر تو جاگ کر سونے کا تھا

راہ چلتے مل گیا تھا، اک نظر کا سلسلہ
زندگی بھر کا تعلق، ہم سفر ہونے کا تھا

اک محبت کے لیے، اک زندگی قربان کی
داغ جو دل پر لگا تھا، خون سے دھونے کا تھا

دو گھڑی کا عشق ؛ کب انسان کو دشوار تھا
مسئلہ تو عمر بھر اس بوجھ کو ڈھونے کا تھا

لوگ سمجھے تھے کہ پاگل ہو گیا ہوں عشق میں
جس جگہ میں ہنس رہا تھا، واقعہ رونے کا تھا

کتنے برقی قمقمے تھے شہر کی دیوار پر
روشنی کا سلسلہ لیکن کسی کونے کا تھا

قد مطابق ایک بھی دستار کے قابل نہیں
اس کہانی میں تو ہر کردار ہی بونے کا تھا

مفت میں ہی بک گئے ہم لوگ پیتل کی طرح
اس تجارت میں خسارا روح کے سونے کا تھا

ڈھونڈتے ہی رہ گئے ہم اپنی خواہش کا وجود
ان کہا تھا المیہ اور وہ بھی ان ہونے کا تھا

اب تو ہمدمؔ بانجھ دھرتی پر خزاں کا دور ہے
کٹ گیا موسم یہاں جو فصلِ گل بونے کا تھا

☆

ایسا کچھ اہتمام ہو، لوگوں کو سکھ ملے
جینے کا انتظام ہو ، لوگوں کو سکھ ملے

یارب! فضائے دہر کو اتنا حسین کر
امن و سکون عام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

موسم حسیں خیال کا دائم کھلا رہے
صبحِ جمال شام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

جنت مثال کوئی تو گوشہ ملے جہاں
عزت ہو، احترام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

ظلمت کے دستِ جبر سے آزاد ہوں غلام
ہر دکھ کا اختتام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

جتنے اداس دل ہیں محبت نواز ہوں
ہر پل خوشی دوام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

آؤ! کسی جزیرہ ءِ خوش تاب کو چلیں
ایسا کوئی مقام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

غنچہ کوئی کھلا رہے، سکھ چین کی طرح
خوشبو بھرا پیام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

حمد و ثنا، قیام و رکوع و سجود ہوں
لب پر خدا کا نام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

احساس کے حروف سے ہمدمؔ سخن ملا
اتنا حسیں کلام ہو، لوگوں کو سکھ ملے

☆

خواب کس منظر کے ہیں؟
آئینے پتھر کے ہیں

اپنے بال و پر کہاں؟
ہم پرندے گھر کے ہیں

پیش منظر ہیں مگر
نقش پس منظر کے ہیں

زخم دکھتے ہی نہیں
وار کس خنجر کے ہیں

بام و در کیا دیکھنا؟
مسئلے اندر کے ہیں

اشک ویراں تو نہیں
چشمۂ گوہر کے ہیں

غم نہیں عکسِ صبا
موجۂ صر صر کے ہیں

سرجری یا قتل ہے
گھاؤ سب نشتر کے ہیں

پوچھتی ہے کربلا
آپ کس لشکر کے ہیں؟

یہ ستارے تو نہیں
چیتھڑے پیکر کے ہیں

شعر میں ہمدؔم ڈھلے
حرف سیم وزر کے ہیں

☆

آئینے کے اندر جھانکا، دل کی دنیا سی ہی نہیں
جیسی حقیقت دیکھ چکے ہم، ویسی حقیقت تھی ہی نہیں

دل کا سودا کرتے کرتے بات یہاں تک پہنچی ہے
مفت میں ہم نیلام ہوئے ہیں، اپنی قیمت لی ہی نہیں

شام ڈھلے جب سو جاتے تو خواب سمے ہم اٹھتے تھے
ایسی عمر گزاری ہم نے اور کسی نے جی ہی نہیں

پیاسی آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں تشنہ کام فقیروں کو
یوں لگتا تھا ان آنکھوں سے اور کسی نے پی ہی نہیں

ورنہ چین کہاں پڑتا ہے ایسی دنیا داری میں
سچ پوچھو تو ان لوگوں نے سچی محبت کی ہی نہیں

شب کا دامن تب چھوڑا جب سورج نے پرنور کیا
خوابوں کی تعبیر سے پہلے چشمِ سحر دیکھی ہی نہیں

جو کچھ دیکھا، اچھا سمجھا، الٹا سیدھا کیا کرتے
ایسی ویسی بات میں ہم نے جیسی تیسی کی ہی نہیں

چلتے چلتے مل جاتے ہم ورنہ اپنی مٹی میں
ہم نے اپنے پاؤں کے نیچے اتنی زمیں رکھی ہی نہیں

دشت خیالی میں بھی ہمدؔم سر پر سورج رہتا تھا
ہم نے چھانا صحرا صحرا چھاؤں کسی نے دی ہی نہیں

☆

سوال: آنکھ مری کیا جواب مانگتی ہے؟
جواب: دل کی طلب ہیں جو خواب مانگتی ہے

سوال: خواب کی تعبیر کیسے ملتی ہے؟
جواب: عیدِ سحر آفتاب مانگتی ہے

سوال: عیدِ سحر میں چراغ کیا معنی؟
جواب: چشمِ بصیرت حساب مانگتی ہے

سوال: چشمِ بصیرت کا تذکرہ کیوں کر؟
جواب: دل کی حقیقت حجاب مانگتی ہے

سوال : دل کی حقیقت ظہور کیسے ہو؟
جواب : تیغِ محبت ہے، آب مانگتی ہے

سوال : تیغِ محبت کو اور چاہیے کیا؟
جواب : موجۂ گل ہے، گلاب مانگتی ہے

سوال : موجۂ گل سے نمود گل کیا ہے؟
جواب : سچی محبت شباب مانگتی ہے

سوال : سچی محبت میں خودنمائی کیوں؟
جواب : رمز ہے بس آب و تاب مانگتی ہے

سوال : رمز، کنایہ، حجاب، ایسا کیا؟
جواب: دل کی گرامر نصاب مانگتی ہے

سوال: دل کا الگ سے نصاب کیا مطلب؟
جواب: دل کی لگن انتخاب مانگتی ہے

سوال: دل کی لگن میں یہ انتخاب ہے کیا؟
جواب: عشق میں سوہنی چناب مانگتی ہے

سوال: کچے گھڑے اور چناب کا قصہ؟
جواب: آنکھ بھی غینی نقاب مانگتی ہے

سوال: غین کے پردے میں آئنہ ہے کیا؟
جواب: عین حقیقت کا باب مانگتی ہے

سوال: سچی حقیقت کا فلسفہ کیا ہے؟
جواب: یہ وہ طلب ہے جو تاب مانگتی ہے

سوال: کیسی طلب ہے؟ یہ آب و تاب ہے کیا؟
جواب: لہر ہے دل کی خطاب مانگتی ہے

سوال: دل کو بھلا کیا خطاب دیں ہمدم؟
جواب: موج غزل ہے کتاب مانگتی ہے

☆

میں نے جی بھر کے تجھے خود کو دکھایا بھی نہیں
اور کبھی خواب کے منظر سے ہٹایا بھی نہیں

آئنہ زاد تماشا تھا بپا آنکھوں میں
تو نے دیکھا بھی نہیں، میں نے دکھایا بھی نہیں

تو میسر تھا مجھے دل کی گزر گاہوں میں
کیوں تجھے خواب کی تعبیر میں لایا بھی نہیں

اب تو لگتا ہے کہ سورج ہے سوا نیزے پر
دھوپ نگری میں کسی جسم کا سایہ بھی نہیں

میرے جینے کا تناسب ہے تری سانس کے ساتھ
میں نے کھویا بھی نہیں، عشق میں پایا بھی نہیں

اپنی پہچان کو رکھا ہے نہاں خانے میں
اپنی اوقات سے باہر کبھی آیا بھی نہیں

کوئی شکوہ نہ شکایت نہ گلہ ہے تجھ سے
یاد رکھا ہے تجھے دل سے بھلایا بھی نہیں

ایک بھی شخص کو تنہا نہیں ہوتے دیکھا
موسمِ ہجر مرے گاؤں میں آیا بھی نہیں

سچ کہوں! ایسی فضا میرے مطابق ہی نہ تھی
سچ کہوں! جبر کا موسم کبھی بھایا بھی نہیں

جانے کس دشت کو سیراب کیا ہے تو نے
دل پہ گزرا ہے وہ عالم کہ بتایا بھی نہیں

آج پھر آنکھ کھلی پھول کے انگاروں پر
آج پھر خواب کے آسیب نے کھایا بھی نہیں

بس تری یاد کو سینے سے لگا کے رکھا
مشغلہ اور کوئی دل میں سمایا بھی نہیں

میرے اشعار پہ کیوں چاک گریباں ہوتے
قصہ ء درد کبھی کھل کے سنایا بھی نہیں

یہ مرے قادرِ مطلق کا کرم ہے ہمدمؔ
رزق پایا ہے وہ میں نے جو کمایا بھی نہیں

دل کی دھڑکن میں بسائی ہے محبت ہمدمؔ
یہ وہ نغمہ ہے جسے ساز پہ گایا بھی نہیں

☆

کھلے کھلے ہوئے چہرے کا خواب میں ہی تھا
حسین آنکھ میں کھلتا گلاب میں ہی تھا

وہ خوش نظر مجھے کمرے میں چھپ کے پڑھتی تھی
کتابِ دل میں محبت کا باب میں ہی تھا

دکھا رہا تھا سبھی کو وہ سلکی پیراہن
سفید رنگ سے لپٹا سحاب میں ہی تھا

خدا نے مجھ کو بنایا تھا بس اسی کے لیے
وہ جس کے کچے گھڑے کا چناب میں ہی تھا

مری غزل تھی نمایاں کسی کے لہجے میں
کسی کے دل میں دھڑکتا رباب میں ہی تھا

کسی سے حل نہیں ہوتا تھا مسئلہ دل کا
ہر اک سوال کا ممکن جواب میں ہی تھا

بچا نہیں تھا کوئی سرفروش بستی میں
سوا پنے سامنے عزت مآب میں ہی تھا

سوال چونکہ، چنانچہ سے بڑھ گیا تھا، پس
سخن کی شاخ پہ سبز انقلاب میں ہی تھا

مرے ہی دم سے مکمل تھی داستانِ دل
کسی کے پیار کا لبِّ لباب میں ہی تھا

کسی کسی کو میسر تھی زندگی ہمدؔم
جسے طلب تھی، اسے دستیاب میں ہی تھا

☆

سرائے خواب سے پہلے سراب میں ہی تھا
جو آئنے پہ پڑا تھا نقاب میں ہی تھا

مرے وجود پہ حجت تمام ہو چکی تھی
کتابِ ہست کا پہلا نصاب میں ہی تھا

جنوں سرشت قبیلے کی لاج لازم تھی
سو اس خرابے میں خانہ خراب میں ہی تھا

وفا کی دھوپ میں جلتا تھا ہم سفر سایہ
وہ کوئی اور نہیں تھا، جناب میں ہی تھا

مرے نقوش سے نکلے تھے راستے سارے
سفیرِ راکب و مرکب، رکاب میں ہی تھا

عجیب طرز کی منزل کا سامنا تھا مجھے
شکستِ خواب تھی اور کامیاب میں ہی تھا

میں اپنی خاک سے اپنا مکاں بناتا تھا
اسیرِ شہر کا واحد نواب میں ہی تھا

بدل گئی تو کسی کی نہیں رہی وہ بھی
وہ جس نظر کا حسیں انتخاب میں ہی تھا

سنور سنور کے دکھاتا تھا روشنی ہمدؔم
جمالِ حسن کی سب آب و تاب میں ہی تھا

☆

صبح نو کا خواب مکمل کر دیں گے
جلتے دیپ ہوا کو پاگل کر دیں گے

ہم نے دشتِ دل کی پیاس بجھائی ہے
ہم روئے تو صحرا جل تھل کر دیں گے

منظر کی تصویر کسی رخ ٹھہرے تو
بے ترتیب نگاہ مسلسل کر دیں گے

کتنے ٹروجن ہارس چھپے ہیں سینے میں
وحشی دل کی بستی جنگل کر دیں گے

اور نہیں تو جان لٹانا بنتا ہے
خونِ دل سے دھرتی مقتل کر دیں گے

کیسے زخم لگے ہیں اپنے دامن سے
یہ آزار مرا دل بوجھل کر دیں گے

اپنی بولی آپ لگائی ہے لیکن
سوداگر سونا بھی پیتل کر دیں گے

کھڑکی سے امید کا سورج نکلے گا
دروازہ اندر سے مقفل کر دیں گے

سبز کیا ہے پتہ پتہ گلشن کا
زرد رتوں کی مشکل بھی حل کر دیں گے

ہمدم سینت کے رکھنا ورنہ لفظ ترے
فکر کا ریشم گنجل گنجل کر دیں گے



ہاشم علی خان ہمدمؔ کا سرمایۂ شعروسخن

- موجِ کرم (حمد ونعت)
- پانچواں موسم (غزلیات)
- آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
- موجِ غزل (طرحی غزلیات)
- محبت کی زبان (طرحی غزلیات)
- دُھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)
- چراغِ فکر (طرحی غزلیات)
- جہانِ خواب (طرحی غزلیات)
- چشمِ تماشا (طرحی غزلیات)
- سراب سے آگے (طرحی غزلیات)
- تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)
- آدھا سفر (طرحی غزلیات)
- نمودِ سحر (طرحی غزلیات)
- آخری چراغ (غزلیات)
- چراغِ حرف (غزلیات)
- غزل پوش (غزلیات)
- دم (دیوان)
- سبیل کرم (نعتیہ مجموعہ)
- طیبۂ جاں (نعتیہ نظمیں)
- خواب سراب (نظمیں)
- روشنی کے پھول (سلام ومناقب)
- سیلفیاں (مزاحیہ کلام)

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام